ISSN: 2321-8339

اکتوبر-دسمبر ۲۰۲۱ء

ادارہ تحقیق وتصنیفِ اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

اسلام کا نظامِ شوریٰ

سید جلال الدین عمری

قرآن مجید میں غیر عربی زبانوں کے الفاظ

جناب نعمت اللہ مشعل

شعب ابی طالب میں محصوری (۲)

ڈاکٹر مفتی محمد مشتاق تجاروی

قرونِ وسطیٰ کے انگریزی ادب میں اسلام اور مسلمان

جناب زریاب احمد فلاحی

خاندان سے متعلق مغربی تصورات اور اسلام

مولانا محمد کمال اختر قاسمی

تعارف وتبصرہ

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی کی

اہم مطبوعات

معرکۂ اسلام و جاہلیت	مولانا صدر الدین اصلاحی	110.00
اسلام۔ایک نجات دہندہ تحریک	مولانا سلطان احمد اصلاحی	90.00
عصر حاضر کا سماجی انتشار اور اسلام کی رہ نمائی	مولانا سلطان احمد اصلاحی	125.00
عصر حاضر کی نفسیاتی الجھنیں اور ان کا اسلامی حل	مولانا سلطان احمد اصلاحی	80.00
اکیسویں صدی کے سماجی مسائل اور اسلام	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	140.00
قرآن، اہل کتاب اور مسلمان	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	70.00
گھریلو تشدد اور اسلام	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	30.00
حقائق، اسلام۔بعض اعتراضات کا جائزہ	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	56.00
حضرت ابراہیم۔امامِ انسانیت	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	85.00
ہم جنسیت کا فتنہ	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	28.00
احیائے اسلام: مفہوم۔مسایل، تقاضے	مولانا محمد جرجیس کریمی	85.00
جرائم اور اسلام	مولانا محمد جرجیس کریمی	85.00
قرآن مجید اور مستشرقین	مولانا محمد جرجیس کریمی	72.00
اتحادِ امت کا مسئلہ: چند اہم گوشے	مولانا محمد جرجیس کریمی	34.00
اسلام کی امتیازی خصوصیات	مولانا محمد جرجیس کریمی	100.00
سیرتِ نبوی پر اعتراضات کا جائزہ	ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی	130.00
ملت اسلامیہ کے اختلافات	مولانا ضمیر الحسن فلاحی	65.00
قیامِ امن اور اسلام	مولانا کمال اختر قاسمی	100.00

ملنے کے پتے:

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی
نبی نگر، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ۔۲

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز
D-307، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔۲۵

ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

اکتوبر ــــــــــــ دسمبر ۲۰۲۱ء

مدیر

سیّد جلال الدین عمری

معاون مدیر

محمد رضی الاسلام ندوی

نبی نگر (جمال پور)، پوسٹ بکس نمبر ۹۳، علی گڑھ — ۲۰۲۰۰۲

ISSN: 2321-8339

سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی علی گڑھ

جلد: ۴۰ شمارہ ۴:
ربیع الاول ——— جمادی الاولیٰ ۱۴۴۳ھ
اکتوبر ——— دسمبر ۲۰۲۱ء

- مجلہ کے تمام شمارے www.tahqeeqat.net پر اپ لوڈ ہیں۔
- مقالہ نگار حضرات اپنے مقالات صرف tahqeeqat@gmail.com پر ارسال کریں۔
- انتظامی امور سے متعلق رابطہ کے ذرائع:

موبائل: +91-9897746586

ای میل: idaratahqeeq2016@gmail.com

- اکاؤنٹ نمبر: Tehqeeqat-e-Islami, Union Bank of India:

Muslim University Branch, Aligarh

A/C No. 452201010029001, IFSC, UBIN0545228

زرِ تعاون

اندرونِ ملک

فی شمارہ	۵۰ روپے
سالانہ	۲۰۰ روپے
پانچ سال کے لیے	۸۰۰ روپے
سالانہ (لائبریریاں وادارے)	۳۰۰ روپے

برائے پاکستان

سالانہ (انفرادی)	۲۵/امریکی ڈالر
سالانہ (ادارے)	۳۰/امریکی ڈالر

برائے دیگر ممالک

سالانہ (انفرادی)	۳۰/امریکی ڈالر
سالانہ (ادارے)	۳۵/امریکی ڈالر

طابع وناشر سید جلال الدین عمری نے بھارت آفسیٹ دہلی—۶ سے چھپوا کر
ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی، نبی نگر (جمال پور)، علی گڑھ سے شائع کیا۔

فہرست مضامین

حرف آغاز

اسلام کا نظامِ شوریٰ — سید جلال الدین عمری — ۵

تحقیق وتنقید

قرآن مجید میں غیر عربی زبانوں کے الفاظ — جناب نعمت اللہ مشعل — ۳۵

شعب ابی طالب میں محصوری
(سیرتِ نبوی کا اہم باب) (۲) — ڈاکٹر مفتی محمد مشتاق تجاروی — ۴۷

بحث ونظر

قرونِ وسطیٰ کے انگریزی ادب میں اسلام اور مسلمان — جناب زریاب احمد فلاحی — ۶۹

خاندان سے متعلق مغربی تصورات
اور اسلام — مولانا محمد کمال اختر قاسمی — ۸۹

تعارف وتبصرہ

قرآن کی تدوین: غلط فہمیوں کا ازالہ — ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی — ۱۱۳

خبر نامہ ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی — ادارہ — ۱۱۵

سالانہ فہرست سہ ماہی تحقیقات اسلامی ۲۰۲۱ء — ۱۱۸

مضامین کا انگریزی خلاصہ — ۱۲۱ — ۱۲۸

اس شمارے کے لکھنے والے

۱— جناب نعمت اللہ مشعل

گورنمنٹ خطیب، مفتی محمود میموریل ہاسپٹل کچلاک، بلوچستان (پاکستان)

nematmashal@gmail.com

۲— ڈاکٹر مفتی محمد مشتاق تجاروی

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

muftimushtak@gmail.com

۳— جناب زریاب احمد فلاحی

معاون استاد، محکمہ بنیادی تعلیمات، اعظم گڑھ

zaryabahmad_teacher@gmail.com

۴— مولانا محمد کمال اختر قاسمی

رکن ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی، علی گڑھ

kamalakhtarqasmi@gmail.com

۵— ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

معاون مدیر سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ

mrnadvi@gmail.com

۶۔ سید جلال الدین عمری

صدر ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ

اسلام کا نظامِ شوریٰ

سید جلال الدین عمری

اس موضوع کے تفصیل سے مطالعہ اور اس کے حقیقی خدوخال میں اسے دیکھنے کے لیے بعض بنیادی امور کا پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

اسلام ایک آفاقی دین ہے

اسلام اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ دین ہے۔ اس کا نزول کسی خاص خاندان، قوم و ملک کے لیے نہیں، بلکہ پوری نوع انسانی کے لیے ہوا ہے۔ ہر فردِ بشر اس کا مخاطب ہے۔ یہ فلاح دارین کا ضامن ہے۔ جو کوئی اسے اختیار کرے گا اس کی دنیا بھی سنورے گی اور آخرت میں بھی وہ شاد کام ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ سے مکہ کے نازک حالات میں، جب کہ ہر طرف مخالفت کی آندھی چل رہی تھی، کہا گیا:

قُلْ يَأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّيْ رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيْعاً الَّذِيْ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوَاتِ وَالأَرْضِ لا إِلٰـهَ إِلاَّ هُوَ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ فَآمِنُواْ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الأُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ۔ (الاعراف ۱۵۸:)

اے نبی! تم کہہ دو کہ اے لوگو! یقیناً میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، وہ اللہ جس کی آسمانوں اور زمین پر بادشاہت ہے، سوائے اس کے کوئی معبود نہیں۔ وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، پس تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر جو نبی امی ہے اور جو ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور اس کی باتوں پر اور اس کی پیروی کرو، تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

مکہ کے پُرآشوب ماحول میں بار بار آپؐ کی رسالتِ عامّہ کا اعلان کیا گیا کہ

آپ ساری دنیا کے لیے اللہ کے رسول ہیں اور نجات کا راستہ آپ کی اتباع ہی میں ہے۔ (ملاحظہ ہو سبا ۲۸:، الفرقان ۱:، الانبیاء ۱۰۷:)

یہ ہدایت ہے اس بات کی کہ حالات کتنے ہی ناسازگار ہوں، آپ کی رسالتِ عامہ کا اعلان ہوتے رہنا چاہیے اور یہ حقیقت واشگاف انداز میں پیش ہونی چاہیے کہ اسلام کا دامنِ رحمت سب کے لیے کھلا ہے۔ اس سے جو چاہے فیض یاب ہوسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماں رائے حقیقی ہے

یہ پوری کائنات اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے اور اس میں اسی کا حکم نافذ ہے۔

أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ۔ (الاعراف ۵۴:) سن لو، پیدا بھی وہی کرتا ہے اور حکم بھی اسی کا چلتا ہے۔

اللہ تعالیٰ انسان کا خالق و مالک ہی نہیں، قانون دینے کا بھی وہی مجاز حقیقی ہے۔ مذہب کے نام پر یا کسی بھی عنوان سے حلّت وحرمت کا حق کسی کو نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اختیارِ امر ونہی میں مداخلت ہے:

وَلاَ تَقُولُواْ لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَـذَا حَلاَلٌ وَهَـذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُواْ عَلَى اللّهِ الْكَذِبَ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللّهِ الْكَذِبَ لاَ يُفْلِحُونَ۔ (النحل ۱۱۶:)

اور یہ جو تمہاری زبانیں جھوٹ بولتی ہیں ان سے یہ نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام۔ اس طرح تم اللہ پر افترا باندھو گے۔ جو لوگ اللہ پر افترا پردازی کرتے ہیں وہ کام یاب نہ ہوں گے۔

یہاں نہ پنڈتوں اور پروہتوں اور پادریوں کی اجارہ داری ہے اور نہ کسی آمر کی آمریت عوام کی گردنوں پر اپنا آہنی پنجہ گاڑے ہوئے ہے، بلکہ صرف ایک خدا کی حاکمیت اور فرماں روائی سب پر نافذ ہوگی۔ اسلام کے نزدیک کسی فرد یا گروہ پر دوسرے فرد یا گروہ کی اللہ تعالیٰ کی راہ نمائی سے آزاد حکومت وریاست جورِ ناروا ہے، جس کی کسی صورت میں اجازت نہیں ہے۔

یہاں یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہیے کہ اسلامی قانون پوری زندگی سے متعلق ہے۔ لیکن اس نے عبادات، احوال شخصیہ یا شخصی اور خاندانی مسائل کے سلسلے میں تو تفصیلی

ہدایات فراہم کی ہیں، لیکن اجتماعی اور سیاسی امور میں صرف اصولی احکام دیے ہیں۔ ان میں غور وفکر کے ذریعہ سے عملی راہیں نکالنی ہوتی ہیں اور اجتہاد سے کام لینا پڑتا ہے۔ اس کا دائرہ کافی وسیع ہے۔ (اس کی کسی قدر تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تحقیقاتِ اسلامی کے فقہی مباحث، مضمون 'اسلامی شریعت میں اجتہاد کا عمل'۔ ص ۱۱— ۱۴)

اہل ایمان ایک امت ہیں

جو لوگ اللہ تعالیٰ کو معبود برحق اور فرماں روائے حقیقی تسلیم کرلیں وہ سب ایک امت ہیں۔ انہیں کہیں امت مسلمہ (البقرہ ۱۲۸:)، کہیں خیر امت (آل عمران ۱۱۰:) اور کہیں امت وسط (البقرۃ ۱۱۳:) کا خطاب دیا گیا ہے۔

اسلام عقیدہ وعمل کا ایک وسیع نظام حیات ہے۔ جو کوئی اسے قبول کرلے، خواہ اس کا تعلق ایشیا اور افریقہ سے ہو، یا یورپ اور امریکہ سے، وہ دنیا کے کسی بھی خطہ میں رہتا ہو، وہ صاحب ثروت ہو یا نادار، سرخ وسفید ہو یا سیاہ فام، اس کی کوئی بھی زبان ہو، وہ اس امت کا فرد ہے۔ اسے وہ تمام دینی حقوق حاصل ہوں گے جو امت کے کسی دوسرے فرد کو حاصل ہیں۔

اسلام کا اپنے ماننے والوں سے مطالبہ ہے کہ انہوں نے جس دین کو اپنا دستور عمل اور ضابطۂ حیات تسلیم کیا ہے، اسے زندگی کے تمام گوشوں میں نافذ کریں۔ مسایلِ حیات کے حل کے لیے سوائے اس کے کسی اور طرف نگاہ تک نہ اٹھائیں۔ یہی ان کے دین وایمان کا تقاضا ہے۔ اس کے خلاف جو بھی روش اختیار کی جائے گی وہ مبنی برنفاق اور اسلام کے خلاف ہوگی:

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ۔ (النور ۵۱:— ۵۲)

مومنین کو جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو ان کا کہنا بس یہ ہوتا ہے کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور اس کا تقویٰ اختیار کرے ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں۔

امت کی یہ بھی ایک اہم ذمہ داری ہے کہ اسلام کی حفاظت وسربلندی کے لیے اپنی تمام تر توانائی صرف کرے اور کسی شخص کو اس کے حصار میں رخنہ اندازی کا موقع نہ دے، خواہ اس راہ میں اسے کتنی ہی قربانی دینی پڑے اور جان ومال سے دست بردار ہونا ہی کیوں نہ پڑے۔ یہ رخنہ اندازی چاہے عبادات واخلاق میں ہو یا سیاسیات ومعاملات میں۔ ہر قسم کی تحریف وتبدیل اور فساد وتغیر کی راہ روکنا امت کا فرض ہے، کیوں کہ یہ اس کا اپنا نظام حیات اور دستور العمل ہے۔ جس طرح کوئی شخص اپنی عزیز ترین متاع کی حفاظت وصیانت کی سعی کرتا ہے اسی طرح ہر مسلمان کے لیے اپنی حدِّ استطاعت میں اس جوہرِ بے بہا کی حفاظت لازم ہے۔

یہی اصولی فرق ایک شخصی اور جمہوری ریاست میں ہوتا ہے۔ شخصی حکومت سرتاسر ایک فرد کے فکر وخیال اور جذبات ومیلانات کی تابع ہوتی ہے۔ اسے ہر وقت اپنے اقتدار کو باقی رکھنے اور اسے مضبوط کرنے کی فکر ہوتی ہے۔ عوام سے اس کا اور عوام کا اس سے رابطہ کم زور ہوتا ہے۔ اس سے وہی لوگ قریب ہوتے ہیں جن کے مفادات اس سے وابستہ ہوں۔ برخلاف اس کے ایک اصولی اور عمومی ریاست میں ہر فرد اس سے براہ راست متعلق ہوتا ہے۔ اس کی کام یابی وناکامی کو اپنی کام یابی وناکامی تصور کرتا، اس کے فروغ وسربلندی کی سعی وجہد کو اپنا فرضِ منصبی سمجھتا ہے، اس کے ضرر وزوال کو کسی صورت دیکھنا نہیں چاہتا اور اس کی حفاظت کے لیے ہر ممکن جدوجہد کرتا ہے۔

اس حقیقت کو بار بار اپنی چشمِ حق بیں سے دیکھیے اور غور کیجیے کہ اسلامی مملکت کس قدر جمہوری ہوگی؟ اس کے خطوطِ کار کس قدر عوامی ہوں گے؟ کیا ان بنیادوں پر تشکیل یافتہ اسٹیٹ میں آمریت واستبداد کے لیے گنجائش نکل سکتی ہے؟ اس کا ایک عام شہری بھی، سربراہِ ریاست کے کسی بھی عمل کے احتساب کا حق دار ہوگا اور سربراہِ ریاست ایک ایک باشندے کے روبرو جواب دہ ہوگا۔ اگر امیر کسی بھی معاملہ میں جادۂ حق سے منحرف ہو تو ہر کوئی اس کا دامن پکڑ کر باز پرس کرسکتا ہے۔ یہاں اقتدار کی چشم وآبرو نہیں دیکھی جائے گی، بلکہ خدائے ذول الجلال کی مرضی پیش نظر رہے گی۔ اسی کے احکام پر عمل کا ہر پرستارِ حق ذمہ دار ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو مشورے کی ہدایت

سورۂ آل عمران مدینۂ منورہ میں جنگِ احد کے بعد نازل ہوئی۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کو صحابۂ کرام سے مشورہ کی ہدایت دی گئی ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ جنگِ احد کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کی رائے مدینہ ہی میں رہ کر دشمن سے مقابلہ کرنے کی تھی، لیکن جمہور صحابہؓ خارجِ مدینہ میدان کار زار میں مشرکین سے نبرد آزما ہونا چاہتے تھے۔ آپ نے جمہور کی رائے پر عمل کیا اور مدینہ سے میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہوگئے۔ میدانِ احد میں گھمسان کا رن پڑا اور عَلَمِ فتح ونصرت حق پرستوں کے ہاتھ میں رہا۔ اسی اثنا میں بعض جاں نثاروں کی نافہمی اور غلط اقدام سے پانسا پلٹ گیا اور جیتی ہوئی جنگ شکست میں تبدیل ہوگئی۔ اس صدمۂ جاں کاہ میں بہت ممکن تھا کہ جمہور کی فکر ورائے کی اہمیت کچھ فروتر ہوجاتی اور ان کی رائے اور مشورہ کی قدر و قیمت یک گونہ کم ہوجاتی۔ اس نازک مرحلہ میں ارشادِ خداوندی نے توجہ دلائی:

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ۔ (آل عمران ۱۵۹:)

اے نبی پس انہیں معاف کیجیے اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کیجیے اور ان سے معاملات میں مشورہ کرتے رہیے اور جب آپ (مشورہ کے بعد) کسی کام کا عزم کرلیں تو خدا پر توکل فرمائیے (اور اقدام فرمائیے)

اس آیت نے بتایا کہ گو جمہور نے غلطی کی ہے، لیکن ضروری نہیں کہ ہمیشہ ان کی رائے مبنی بر خطا ہی ہو۔ جمہورِ امت ریاست کا سرمایہ اور جان ہیں۔ انہیں نظر انداز کرکے کوئی قدم نہیں اٹھایا جاسکتا، اگر کسی فرد نے استبداد سے کام لیا اور اس کے نتیجہ میں ساری امت کو مصیبت اٹھانا پڑی تو یہ اس کے لیے ناقابلِ برداشت ہوگی، لیکن جمہور کا فیصلہ اگر غلط بھی نکلے تو وہ قابلِ برداشت ہوتا ہے اور یہ بھی بعید از امکان ہے کہ پوری امت یا اس کی اکثریت غلط راہ کا انتخاب کرے اور اس پر چل پڑے۔

اس آیت کے مخاطب براہِ راست نبی کریم ﷺ ہیں۔ ظاہر ہے کہ آپ کے قلب وروح پر ہر آن غیب کا فیضان ہوتا رہتا تھا، اس لیے یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ کسی وقت راہ راست سے آپ کے قدم (نعوذ باللہ) منحرف ہوسکتے ہیں۔ اسی طرح دنیوی معاملات میں بھی بیش تر مواقع پر آسمانی ہدایت جادۂ صواب کی رہ نمائی کرتی رہی ہے۔ اس سے کام یابی وناکامی کی راہ آپ پر واضح رہی ہے۔ اس کے باوجود چوں کہ پیغمبر کی ذات دوسروں کے لیے اسوہ اور واجب الاتباع ہوتی ہے، اس لیے شوریٰ پر عمل کی طرف توجہ دلائی گئی، تاکہ آپ کے جانشین کسی حال میں اسے نظرانداز نہ کریں۔

حضرت حسن بصریؒ نے آیت زیر بحث کو اسی روشنی میں دیکھا ہے۔ فرماتے ہیں:

> ''اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ نبی ﷺ صحابۂ کرام کے مشورہ کے محتاج نہیں ہیں، لیکن اس کے باوجود مشورہ کا حکم دیا گیا، تاکہ امت اپنے معاملات کو اسی نہج پر حل کرے۔''[۱]

قرآن کے مشہور قانون داں امام ابوبکر جصاص حنفیؒ (المتوفیٰ ۳۷۰ھ) کو اس رائے سے اختلاف ہے وہ رسول اکرم ﷺ کے لیے بھی اس حکم کو واجب مانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

> ''یہ بات صحیح نہیں ہے کہ آں حضرت ﷺ کو صحابہ سے مشورہ کا حکم محض تطییبِ نفوس یا صحابہ کے مراتب کو بلند کرنے یا سنتِ مشاورت قائم کرنے کے لیے دیا گیا ہے۔ (جیسا کہ بعض حضرات کا خیال ہے۔) اگر صحابہ کو یہ بات معلوم ہوتی کہ مشورہ طلب معاملات میں اپنی بساط بھر کوشش کے باوجود ان کے مشوروں کو شرفِ قبولیت نہیں حاصل ہوگا اور ان کو قابل التفات نہیں سمجھا جائے گا تو اس میں ان کی رفع شان کیا ہوتی؟ اس طرز عمل سے تو وہ سخت متوحش ہوتے اور یہ سمجھنے پر مجبور ہوتے کہ ہمارے مشوروں کی کوئی قدر وقیمت نہیں ہے۔ (اور یہ بات ان کی توہین اور ناقدری کی باعث بنتی)۔''[۲]

علامہ سید محمودؒ آلوسی بغدادی کو امام ابوبکر جصاصؒ کے طرز استدلال سے

۱۔ امام شافعی، کتاب الام ۷: ۸۶/۔ بیہقی ۱۰/ ۱۰۹۔ فتح الباری، ج ۱۳ بحوالہ ابن ابی حاتم۔

۲۔ جصاص، احکام القرآن ۲: ۴۹/

اختلاف ہے، لیکن اس کے باوجود لکھتے ہیں:

''اگر مشورہ کا مقصد ارباب شوریٰ کی آراء سے فائدہ اٹھانے کے بجائے محض دل جوئی ہوتا تو ہر کس وناکس سے مشورہ لیا جاسکتا تھا، خواہ وہ صاحب رائے ہو یا نہ ہو۔'' (حالاں کہ نبی ﷺ ہمیشہ اہل الرائے سے مشورہ فرماتے تھے۔) ا؎

رسول اکرم ﷺ کے لیے مشورہ کی جو بھی حیثیت ہو، امت پر اس حکم کے واجب ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ علامہ ابوحیان اندلسیؒ اس حکم کا منشا واضح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

وتشریع المشاورة لمن بعده والاستظهار برأیهم۔ ۲؎	اس کا مقصد بعد کے لوگوں کے لیے مشاورت کو قانونی حیثیت دے دینا اور اہل الرائے کی آراء سے مستفید ہونا ہے۔

آگے چل کر مزید لکھتے ہیں:

''اس آیت میں مشورہ کرنے اور معاملات کو سربستہ رکھنے اور ان پر ہر پہلو سے غور وفکر کا حکم دیا گیا ہے اور ساتھ ہی اس امر کی تصریح کردی گئی ہے کہ مشاورت شریعت میں مطلوب ہے اور یہ حکم بعض سردارانِ عرب کی مستبدانہ روش کے بالکل برعکس ہے کہ وہ معاملات کے نشیب وفراز پر غور وفکر اور مشورہ کیے بغیر احکام نافذ کردیا کرتے تھے۔'' ۳؎

اسلامی تمدن کا مشہور مورخ محمد بن طباطبائی کہتا ہے:

''ہمارے نزدیک اس آیت کی صحیح توجیہ اور حقیقت سے قریب تر رائے یہ ہے کہ آں حضرت کو یہ حکم اس لیے دیا گیا تا کہ امت آپ کی اقتدا میں شوریٰ کی پابندی کرسکے۔'' ۴؎

اس قانونی بحث سے قطع نظر رسول اللہ ﷺ کے شب وروز کے ایک رفیق

۱۔ روح المعانی ۴: ۱۰۷۔ اس پر تفصیلی بحث آگے آرہی ہے۔

۲۔ البحر المحیط: ۳/۹۸ ۳۔ البحر المحیط: ۳/۹۹

۴۔ الفخری، صفحہ ۱۷

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں:

ماراَیت اَحداً اکثر مشورۃً لاصحابہ من رسول اللہ ﷺ۔ ۱؎	آں حضرت ﷺ سے زیادہ اپنے اصحاب سے مشورہ کرنے والا میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔

طباطبائی لکھتے ہیں:

کان رسول اللہ ﷺ یشاور اَصحابہ دائماً۔ ۲؎	رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب سے ہمیشہ مشورہ کیا کرتے تھے۔

علامہ ابن خلدونؒ فرماتے ہیں:

وکان ﷺ یشاور اَصحابہ ویفاوضھم فی مھماتہ العامۃ والخاصۃ ویخص مع ذلک ابابکر بخصوصیات اخریٰ۔ ۳؎	آں حضرتؐ صحابہ سے اپنی عام وخاص مہمات میں مشورہ فرماتے تھے اور صحابہ میں بھی حضرت ابوبکرؓ سے خاص طور پر مشورہ کرتے تھے، کیوں کہ ان کے اندر بعض مخصوص خصوصیتیں تھیں جو اوروں میں نہیں پائی جاتی تھیں۔

ان ہدایات کے تحت جو نظام کارفرما رہا، اس کی تفصیل پیش کی جارہی ہے۔

نظامِ شوریٰ تاریخ کے آئینے میں

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ قریش کو سارے عرب پر مذہبی پیشوائی کا مقام حاصل تھا۔ اس وجہ سے ان کی سیاسی اہمیت بھی تسلیم شدہ تھی۔ باشندگانِ عرب کی نگاہیں ہر معاملہ میں اسی رہ نما قبیلہ کی طرف اٹھتی تھیں اور قریش جس جانب اپنا رخ کرتے وہ

۱۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو بلا سند نقل کیا ہے۔ کتاب الجہاد، باب ماجاء فی المشورۃ۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے سند پیش کی ہے، گو کہ اس میں ارسال ہے، لیکن محدثین ومورخین نے جس کثرت سے اس روایت سے استشہاد کیا ہے اس سے اس کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ روایت مستدرک حاکم میں بھی ہے۔

۲۔ الفخری: ص ۱۷

۳۔ مقدمہ ابن خلدون: ص ۲۰۶

سارا عرب کا قبلۂ مقصود قرار پاتا۔

ابن ہشام نے واقعاتِ فتح مکہ کے ضمن میں لکھا ہے کہ ''آں حضرتؐ کی دعوت کے ردّ وقبول میں اہل عرب کی نگاہیں قریش پر جمی ہوئی تھیں۔ اس لیے کہ قریش عرب کے قائد ورہ نما، کعبۃ اللہ اور حرم کے متولی، حضرت اسماعیل بن ابراہیم کے نسب سے تعلق رکھنے والے اور عرب کے سردار تھے۔ قریش کی ان عظمتوں کا اہل عرب کو اقرار تھا۔ چوں کہ قریش نے آں حضرتؐ کے مقابلے میں عداوت اور جنگ کا جھنڈا اٹھا رکھا تھا، اس لیے اہل عرب بھی مخالفت پر کمربستہ ہوگئے، لیکن جب مکہ فتح ہوگیا اور قریش اسلام کے حلقۂ اطاعت میں آ گئے تو عربوں پر یہ حقیقت آشکارا ہوگئی کہ اب ان کے اندر آں حضرتؐ کے مقابلے اور عداوت کی تاب نہیں ہے۔ چناں چہ وہ بہ آسانی حلقہ بگوشِ اسلام ہوتے چلے گئے۔[۱]

اسلام میں قریش کی حیثیت

اس تاریخی حقیقت سے قریش کی عظمت اور اس کی سیاسی برتری کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اس مقتدر اور باعظمت قبیلہ میں آں حضرت ﷺ کی بعثت ہوئی۔ حق کی صدا سب سے پہلے اسی طبقہ کے کانوں سے ٹکرائی۔ گو یہ صدا ان کے لیے نامانوس تھی اور انہوں نے سچائی کی پکار کو مجنون کی بڑ سے زیادہ اہمیت نہیں دی، بلکہ رفتہ رفتہ اس کے استیصال کے درپے ہوگئے اور اس لافانی صدا کو صدا بصحرا کرنے کی ہر ممکن سعی کی، لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ شمعِ حق کے پروانے اور اس کے جاں نثار اور شیدائی بھی قریش ہی کے دل دماغ تھے۔ قریش ہی کا خون جگر تھا جس نے دعوتِ حق کے نوخیز پودے کو پُر بہار اور بابرگ وبارچمن بنایا۔

جب دعوت حق ارتقائی مراحل طے کرنے لگی تو قریش کے ان فداکاروں کو دوطرح کا تفوق اور برتری حاصل تھی۔ ایک اسلام کے اولین دست وبازو اور اس کے حقیقت شناس اور رازداں ہونے کی حیثیت سے اور دوسری خاندان قریش سے تعلق کی

۱۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، دار التراث العربی، بیروت، ۱۹۹۴ء، ۴/ ۲۱۴

وجہ سے۔ اسلام سے قبل بھی زمامِ قیادت قریش ہی کے ہاتھ میں تھی۔ اسلام کے بعد بھی فطری طور پر قریش ہی راہ نمائی اور قیادت کے منصب پر فائز تھے۔ گویا ہاتھ نہیں بدلے، فکر بدل گئی، قالب نہیں تبدیل ہوا، روح تبدیل ہوگئی۔

رسول اللہ ﷺ نے اسی حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا ہے:

الناس تبع لقریش فی ھذا الشان، مسلمھم تبع لمسلمھم و کافر ھم تبع لکافر ھم، والناس معادن خیارھم فی الجاھلیة خیارھم فی الاسلام اذافقھوا۔ ا؎	حکومت کے معاملے میں لوگ قریش کے تابع ہیں۔ ان میں کے مسلمان، مسلمانانِ قریش کی اتباع کریں گے اور کافر کفار قریش کے پیچھے چلیں گے۔ انسانوں کی حیثیت کان کی سی ہے۔ جو جاہلیت میں بہتر مقام پر رہے ہیں وہ اسلام میں بھی بہتر مقام پر رہیں گے، بشرطے کہ وہ اس شرف کے ساتھ دین کا تفقہ بھی حاصل کرلیں۔

اس حدیث کے آخری جملہ سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ قریش کی یہ رفعت وعظمت اس کی ذاتی صلاحیتوں اور قائدانہ استعداد کی بنا پر ہے۔ سونا سونا ہی رہے گا، خواہ اس پر گرد وغبار کی کتنی ہی تہیں چڑھ جائیں۔ جیسے ہی یہ چھٹ جائے اس کی تابانی نکھر کر سامنے آجائے گی۔

ایک اور موقع پر آپؐ نے فرمایا: ''قریش اپنی فہم ودانائی کے لحاظ سے دوسرے دو آدمیوں کے ہم پلہ ہیں۔'' ۲؎ غالباً یہی حکمت تھی کہ میدانِ جنگ میں بھی مہاجرین جہاں خیمہ زن ہوتے وہیں آپ بھی قیام فرماتے۔ ۳؎

اس کا ایک منشا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ کے ہر سو فہیم اور سمجھ دار لوگ رہیں اور حالت جنگ میں بھی آپ کی راہ نمائی سے استفادہ کرسکیں۔

اس طرح قریش محض اپنی مذہبی برتری کے باعث ہی سارے عرب پر قیادت نہیں

ا؎ بخاری کتاب المناقب، حدیث نمبر: ۳۴۹۵، مسلم کتاب الامارۃ، باب الناس تبع لقریش، حدیث: ۴۷۰۲

۲؎ حاکم: المستدرک ۴: ۷۲/۔ السنن الکبریٰ ۱۲۱/۳

۳؎ مسند احمد ۲۳۲/۵

کررہے تھے، بلکہ اس میں ان کے ذاتی شرف وکمال کا بھی دخل رہاہے۔اسی قبیلہ کے جوہر قابل نے جب اسلام کواپنے سینہ سے لگایا تو پرچمِ قیادت بھی ان ہی کے حوالے کیا گیا۔

اسلام میں انصار کا مقام

اسلام کے آغاز میں جب اس کے چند ناتواں ہم نواؤں کو ریگ زارِ عرب پوری طرح جھلسے دے رہا تھا اور صحرائے عرب کی پہنائیاں ان پر تنگ ہونے لگی تھیں، ایک نئے طبقہ نے اپنی بے مثال قربانیوں اور جاں فروشیوں سے دعوتِ حق کو استحکام بخشا اور اس کے مصیبت زدہ نام لیواؤں کو اپنے ہاں جگہ دی۔ یہ طبقہ اپنی بیش بہا خدمات سے دعوت اسلامی کا دوسرا اہم عنصر قرار پایا اور آئندہ کے کسی بھی مرحلہ میں اسے نظرانداز نہیں کیا گیا۔

انصار کی یہ پوزیشن آں حضرت ﷺ نے اسی وقت واضح کردی تھی جب کہ اہل مدینہ کے ایک نمائندے نے بیعتِ عقبہ کے موقع پر دریافت کیا کہ یارسول اللہ! اگر ہم اپنی کل متاعِ زیست حق کی سربلندی میں لگادیں اور فی الواقع حق کا پرچم ہر سو لہرانے لگے، تو کیا آپ ہمیں چھوڑ کر اپنے وطن (مکہ) لوٹ جائیں گے؟ آپ نے جواب دیا ہرگز نہیں۔

الدمِ الدم والهدمِ الهدم، انتم منّی وانا منکم آحارب من حاربتم واسالم من سالمتم۔ ۱ے	تمہارا خون میرا خون ہوگا۔ تمہاری حرمت میری حرمت ہوگی۔ تم جس سے جنگ کروگے میں اس سے جنگ کروں گا۔ تم جس سے صلح کروگے میں بھی اس سے صلح کروں گا۔

ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا:

لولا الهجرة لكنت اِمرئً من الأنصار ولو سلك الناس وادياً وشعباً لسلكت وادی الأنصار وشعبها۔ ۲ے	اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار ہی میں کا ایک فرد ہوتا۔ اگر لوگ کسی وادی میں چلیں اور انصار کسی دوسری وادی میں تو انصار جس وادی میں چلتے، میں اسی میں چلتا۔

یہ ایک سیاسی حقیقت ہے جسے ان الفاظ میں ظاہر کیا گیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ بحیثیت سربراہ ریاست اس اہم عنصر کو نظرانداز نہیں فرمائیں گے۔ بلکہ انصار

۱۔ سیرت ابن ہشام، ص ۲۹۷، ابن اثیر، تاریخ الکامل ۲/ ۴۰

۲۔ صحیح بخاری، کتاب التمنی، باب مایجوز من اللو، حدیث: ۷۲۴۴

کی مرضی و نامرضی تمام اہم اقدامات میں فیصلہ کن حیثیت کی حامل ہوگی۔ اسی وادی کی طرف قدم بڑھائے جائیں گے جس وادی کی طرف انصار گام زن ہوں گے، جس پاسنگ میں انصار کی آراء ہوں گی یقینا وہ بھاری ثابت ہوگا۔

مہاجرین وانصار کی حیثیت

رسول اللہ ﷺ نے مختلف مواقع پر انصار سے محبت، خاص تعلق اور ان پر اپنے اعتماد کا اظہار فرمایا ہے۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

حب الأنصار آیة الایمان وبغضهم آیةالنفاق۔[۱] انصار سے محبت ایمان کی دلیل اور ان سے نفرت نفاق کی نشانی ہے۔

مطلب یہ کہ انصار کے اخلاص اور قربانیوں کا ہر صاحب ایمان اعتراف کرے گا۔ ان کا انکار وہی کرے گا جس کے دل میں کھوٹ ہے اور جو نفاق میں مبتلا ہے۔ حضرت انسؓ ہی کی ایک اور روایت ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

ان الانصار کرشی وعیبتی وان الناس یکثرون ویقلون فاقبلوا من محسنهم واعفوا عن مسیئهم۔[۲] انصار میری خاص جماعت ہے جس پر میں اعتماد کرتا ہوں۔ وہ میرے راز دار ہیں۔ لوگ بڑھتے جائیں گے اور وہ کم ہوجائیں گے۔ ان کے نکوکاروں کے عمل کو قبول کرو اور جس سے غلطی سرزد ہوجائے اسے نظرانداز کرو۔

اس سے معاشرہ میں انصار کی اہمیت واضح ہوتی ہے اور یہ کہ ان کو نظرانداز کرنا درست نہ ہوگا۔

اس طرح مہاجرین بالفاظ دیگر قریش اور انصارِ مدینہ اسلام کی اس ابھرتی ہوئی طاقت کے اجزاء لاینفک تھے۔ سقیفۂ بنی ساعدہ (جہاں حضرت ابوبکرؓ کی بیعت

۱۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل الانصار۔ اس سلسلے میں کئی روایات دیگر کتب حدیث میں بھی موجود ہیں۔

۲۔ بخاری، کتاب مناقب الانصار، حدیث نمبر: ۳۸۰۱

ہوئی تھی) میں مہاجرین وانصار نے خلافت کے مسئلے پر اظہار خیال کیا تھا۔ اس موقع پر مہاجرین سے خطاب کر کے انصار کے ایک نمائندے نے کہا:

انّ رسول اللہ کان إذا استعمل رجلاً منکم قرن معہ رجلاً منّا۔ ۱؎ جب رسول اللہؐ تم میں سے کسی کو عامل مقرر کرتے تو ہمارے ایک آدمی کو بھی اس کے ساتھ بھیجتے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ غزوات میں مسلمانوں کے دو عَلَم ہوتے تھے۔ انصار کا علم سعد بن عبادہؓ تھامے ہوئے ہوتے اور پرچمِ مہاجرین حضرت علیؓ کے ہاتھ میں لہراتا۔ ۲؎

جنگِ بدر میں رئیس انصار سعد بن عبادہؓ شریک نہیں ہوسکے تو انصار کا عَلَم سعد بن معاذؓ یا حباب بن منذر انصاری کے ہاتھ میں تھا اور مہاجرین کا پرچم بدستور حضرت علیؓ لیے ہوئے تھے۔ ۳؎

ان دونوں طبقات کو ان کی سابقیت اور اوّلیت کی وجہ سے اسلامی تاریخ میں اتنا بلند مقام حاصل تھا کہ دعوت اسلامی کے فروغ اور توسیع کے باوجود ہر اہم معاملہ میں ان ہی دو طبقات کی طرف امت کی نظر اٹھتی تھی۔ جس طرح سارا عرب اسلام کے بارے میں قریش پر اپنی نگاہیں جمائے ہوئے تھا، اسی طرح اسلام میں شامل ہونے والے قبایلِ عرب اب ان دونوں طبقوں کی پالیسی کو اپنے لیے دستور العمل سمجھتے تھے۔ وہ جس طرف دستِ صلح بڑھاتے اس سے صلح کرتے اور جس سے اعلان جنگ کرتے اس سے برسرِ پیکار ہوتے۔

نہ صرف سیاسی اور تحریکی حیثیت سے مہاجرین وانصار کو یہ تاجِ عظمت حاصل تھا، بلکہ فہم دین اور اس کے رازداں ہونے کی وجہ سے بھی وہی ملت کی قیادت کے موقف میں

۱۔ مستدرک حاکم ۳: ۷۶/

۲۔ الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ۲: ۳۰/، تذکرہ نمبر ۳۱۷۳

۳۔ البدایۃ والنہایۃ ۳: ۳۶۰/

تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سب سے زیادہ ان ہی دو طبقوں کو رسول اللہ ﷺ کے فیضِ صحبت، اکتسابِ علم اور اپنے تزکیہ وتربیت کے مواقع نصیب تھے۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لیلینی أولو الأحلام والنھیٰ۔۱؎ نماز میں مجھ سے قریب اہلِ علم ودانش رہیں۔

یہ 'اولوالاحلام' کون تھے؟ یہ مہاجرین وانصار ہی تھے، جیسا کہ ایک اور حدیث سے اس کی وضاحت ہوتی ہے۔

کان یحب ان یلیہ المھاجرون والانصار فی الصلوۃ لیأخذوا عنہ۔۲؎ آں حضرت چاہتے تھے کہ نماز میں آپ سے قریب مہاجرین وانصار رہیں، تاکہ وہ آپ سے (نماز کے طریقے) سیکھ سکیں۔

ان تصریحات کی روشنی میں یہ بات پورے وثوق اور قطعیت کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ یہی دو گروہ امتِ مسلمہ میں دینی اور سیاسی پہلو سے فیصلہ کن قوت کے حامل تھے۔ اس لیے لامحالہ ان ہی کو بست وکشاد کا حق بھی حاصل تھا۔ ان کا فیصلہ ساری امت کا فیصلہ ہوتا۔ وہ جس نقطہ پر متحد ہوجاتے امت مسلمہ بدل وجان اسے قبول کرلیتی۔

لیکن ان دونوں طبقات نے دورِ حاضر کی سیاست باز اور ایک دوسرے کی حریف پارٹیوں کی حیثیت سے میدانِ عمل میں قدم نہیں رکھا تھا، بلکہ اس اتحادِ مقدس کی اساس دین پر رکھی گئی تھی، وہ دین جو ایک کو دوسرے کا غم گسار، شریک رنج وراحت اور مونس وغم خوار بناتا ہے، جس کا ہر صفحہ درسِ اخوت ومحبت دیتا ہے، جس کا ہر کردار پیکرِ اخلاص وصداقت ہوتا ہے۔ چشمِ فلک نے ان کی اخوت وہم دردی کا وہ نظارہ بھی دیکھا ہے کہ ایک فریق نے دوسرے فریق کو اپنے مال ودولت میں برابر کا شریک وسہیم سمجھا تھا۔۳؎

مقصد کے اس اتحاد اور یگانگت کے ساتھ رسولِ خدا ﷺ نے مہاجرین میں سے ایک ایک کے ہاتھ کو ایک ایک انصاری کے ہاتھ میں دے کر رشتۂ اخوت کو مزید ناقابلِ شکست کردیا تھا۔ اس سے اجنبیت اور نامانوسیت کا بالکلیہ خاتمہ ہوگیا اور ہر گروہ

۱۔ صحیح مسلم: کتاب الصلوۃ، باب تسویۃ الصفوف۔

۲۔ السنن الکبریٰ ۳: ۹۷/

۳۔ اس کی بعض مثالوں کے لیے ملاحظہ ہو: صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب اخاء النبی بین المھاجرین والانصار۔

دوسرے کو اپنی ہی برادری سمجھنے لگا۔ ا چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک عرصہ تک ان 'غیروں' میں میراث کا سلسلہ قائم رہا۔ ۲

اس تفصیل سے دو حقیقتیں سامنے آتی ہیں: ایک یہ کہ انصار و مہاجرین ہی وہ عوامی جماعتیں تھیں جنہیں سیادتِ امت کا منصب حاصل تھا اور جو دینی خدمات اور فہم وبصیرت کی وجہ سے قدرتی طور پر اہل حل وعقد قرار پائیں۔

دوسری حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں جماعتیں عقیدہ وفکر کے اتحاد اور آں حضرت کی قائم کردہ اخوت کے باعث ایک بن گئی تھیں۔ اس لیے نظم مملکت میں کس جماعت کا کیا حصہ ہوگا؟ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہوا۔ اگر کسی وقت اس قسم کی کوئی ناگوار صورت رونما ہوئی تو احساسِ اخوت نے فوراً ہی اس پر پردے ڈال دیے۔

مہاجرین وانصار کی سیاسی پوزیشن

اگر آپ آں حضرت ﷺ کے ارشادات کو سامنے رکھیں، جن کی تفصیل ابن ہشام میں موجود ہے تو یہ حقیقت ازخود متعین ہوجائے گی کہ آپس کے ان بھائیوں میں کس کو براہ راست سیادتِ امت کا حق حاصل ہے اور کس کی حیثیت شریک کار اور مشیر کی ہے؟

رسول اکرم ﷺ نے اپنے آخری خطبے میں ارشاد فرمایا: ''لوگو! میں انصار کے بارے میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں۔ ان کے حقوق کو پہچانو۔ وہ میرے رازدار ہیں۔ انہوں نے اپنا حق تو ادا کر دیا، لیکن ان کا حق ادا نہیں ہوا، لہٰذا ان کے محسن کے حسن عمل کو قبول کرلو اور ان میں سے کسی سے غلطی ہوجائے تو درگزر کردو۔'' ۳

اس تقریر میں اس بات کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ انصار کو نظم ونسقِ مملکت کا اختیار نہیں حاصل ہوگا۔ لہٰذا جو گروہ برسرِ اقتدار آئے وہ ان کے ساتھ حسنِ سلوک اور نیک روش

۱۔ بخاری، کتاب الادب۔ باب الاخاء والحلف۔ تفصیل سیرت ابن ہشام میں ہجرت کے واقعات کے تحت دیکھی جائے۔

۲۔ بخاری، کتاب التفسیر، باب تفسیر قولہ ولکل جعلنا موالی الخ۔ ابوداؤد، کتاب الفرائض، باب نسخ میراث العقد بمیراث الرحم۔

۳۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب قول النبی اقبلوا من محسنھم۔

اختیار کرے، کیوں کہ یہ جماعت اپنی بہترین خدمات اور اعلیٰ صلاحیتوں کے لحاظ سے ایسی ہے کہ اس کا وزن محسوس کیا جائے اور اسے وہ مقام حاصل ہو جس کی وہ فی الواقع مستحق ہے۔

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ خطاب مہاجرین سے کیا تھا۔ ۱؎ جس کے بعد انصار و مہاجرین کے موقف کے تعین میں کوئی دشواری نہیں پیش آئی تھی۔

علاوہ ازیں آں حضرتؐ نے بارہا اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ قریش ہی مملکت کے سربراہ ہوں گے۔ ۲؎ کیوں کہ عرب سوائے قریش کسی اور کے عَلَم اقتدار کے تحت مجتمع نہیں ہو سکتے۔

حضرت ابوبکرؓ نے سقیفۂ بنی ساعدہ میں انصار سے مخاطب ہو کر مہاجرین و انصار کی پوزیشن ان الفاظ میں واضح کی تھی:

فلیس أحد بعد المهاجرین الاولین عندنا بمنزلتکم، فنحن الامراء وانتم الوزراء لاتفتانون بمشورة ولاتقضی دونکم الأمور۔ ۳؎	مہاجرین اولین کے بعد ہمارے نزدیک تم سے زیادہ بلند مرتبہ کوئی اور نہیں ہے۔ ہم امراء ہوں گے اور تم وزراء۔ کسی معاملے میں مشورہ کرتے ہوئے تمہیں الگ نہیں رکھا جائے گا اور تمہارے بغیر کوئی معاملہ طے نہیں پائے گا۔

قریش کی اس سیاسی پوزیشن کا علمی تجزیہ ہمارے فلسفی مورخ ابن خلدون کی زبانی سنیے:

> ''درحقیقت قریش قبیلۂ مضر کا جوہر اور اس کا نچوڑ تھے، ان کو سارے عرب پر کثرت تعداد اور عصبیت کے لحاظ سے غلبہ و تفوق حاصل تھا۔ عرب ان کی اس برتری کو تسلیم کرتے تھے اور وہ بطوع و رغبت ان کے زیر نگیں رہ سکتے تھے۔ اگر ان کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ میں کلیدِ اقتدار ہوتی تو شیرازۂ امت کے پارہ پارہ ہو جانے کا اندیشہ تھا اور مضر کے دیگر قبائل میں اتنی قوت اور صلاحیت نہیں تھی کہ وہ امت کو انتشار

۱۔ تاریخ طبری: ۳/ ۱۹۴۔ البدایۃ والنہایۃ ۵/ ۲۳۹

۲۔ مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۲۳۲۹

۳۔ تاریخ طبری: ۳/ ۲۰۳۔ الامامۃ والسیاسۃ ۱/ ۷

کے ہاتھوں تباہ ہونے سے بچاتے..... چوں کہ اللہ کا نبی ہمیشہ امت کے اتحاد واتفاق کا متمنی ہوتا ہے۔ لہٰذا نبی ﷺ نے خلافت کے لیے قریشیت کی شرط لگادی، تاکہ امت گروہ بندی اور تفرق کا شکار نہ ہوجائے۔ قریش کے اندر اتنی طاقت تھی کہ وہ زور اقتدار سے لوگوں پر حکم نافذ کرسکتے تھے، اس لیے ان کی قیادت میں کسی اختلاف کا اندیشہ نہیں تھا۔ قریش کا اتحاد تمام قبایلِ مضر کے اتحاد کا ہم معنیٰ تھا اور مضر کا اتحاد سارے عرب کے اتحاد کا ذریعہ بن سکتا تھا۔''[۱]

مرکز ریاست مدینہ کی حیثیت

مہاجرین اور انصار دونوں جماعتوں کا قیام دارالسلطنت مدینہ ہی میں تھا یا کم ازکم ان کے چیدہ اور نمایاں اشخاص کی کثرت، جن پر ہر معاملہ میں نظریں اٹھ سکتی تھیں، مدینہ ہی میں اقامت گزیں تھی، جس کا مطلب یہ ہوا کہ اہل مدینہ کی رائے کو آخری حیثیت دے دی گئی اور مزید کسی رائے کی دریافت کرنے کی حاجت نہیں رہی۔

تاریخ کا ہر باخبر شخص واقف ہے کہ مدینہ کی ریاست خونی تلواروں اور نیزوں کے سایہ میں وجود پذیر ہوئی۔ مدینہ ہر سو سے دشمنوں کے نیزوں کا ہدف بنا ہوا تھا۔ کوئی شخص اس کے عروج وارتقا کا تو کیا، بقاوسلامت کا بھی دعویٰ نہیں کرسکتا تھا۔ ان حالات میں رسول اکرم ﷺ کی رفاقت کا شرف ان ہی اربابِ عزیمت کو حاصل ہوسکتا تھا جو متاع زیست کا سودا کرنے کے لیے ہر آن آمادہ ہوں، جو موجِ حوادث سے مسکراتے ہوئے آگے نکل جانے کی صلاحیت رکھتے ہوں، جو ناخوش گوار حالت میں بھی پیمانِ وفا نبھانے کا عزم رکھتے ہوں۔ آں حضرتؐ نے اس حقیقت کا اظہار کس قدر لطیف پیرایہ میں کیا ہے کہ ''مدینہ کی مثال بھٹی کی سی ہے، جو کھوٹ کو چھانٹ دیتی ہے اور جوہرِ خالص کو الگ کردیتی ہے۔''[۲]

حضرت عمرؓ ایک حج کے موقع پر ایک اہم سیاسی ودینی تقریر کرنا چاہتے تھے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو جب اس کا علم ہوا تو فرمایا: ''امیر المومنین! ایسی اہم تقریر کے

۱۔ مقدمۃ ابن خلدون: ص ۱۶۹—۱۷۰

۲۔ صحیح بخاری، فضائل المدینۃ، باب المدینۃ تنفی الخبث الخ۔

لیے یہ موقع کسی طرح مناسب نہیں، کیوں کہ حج میں ہر قسم کے لوگ اکٹھا ہوتے ہیں اور بالعموم ناسمجھ عوام ہی مقرر کے اردگرد چھا جاتے ہیں۔ اس سے ایک طرف تو اہل فقہ اور اربابِ بصیرت صحیح بات سن نہیں پاتے اور دوسری طرف عوام جن باتوں کو سنتے ہیں ان کی تہہ تک ان کی رسائی نہیں ہوتی، وہ بات کو بلا سوچے سمجھے موقع بے موقع اسے منطبق کرنے لگتے ہیں۔ لہٰذا:

فأمهل حتى تقدم المدينة فإنها دار الهجرة والسنة فتخلص بأهل الفقه وأشرف الناس فتقول ماقلت متمكناً فيعي أهل العلم مقالتك ويضعوها على مواضعها۔[۱]

مدینہ پہنچنے تک انتظار فرمائیے۔ کیوں کہ وہ دارالہجرۃ اور گہوارۂ سنت ہے۔ پس آپ وہاں اہل فقہ اور قوم کے سرداروں سے الگ خطاب کرسکتے ہیں اور آپ اپنا منشا اور مراد پیش کرسکتے ہیں، جسے اہل علم پوری طرح محفوظ رکھیں گے اور موقع ومحل پر اس کا انطباق کریں گے۔

علامہ حافظ ابن حجرؒ اس واقعہ کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''اس واقعہ سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ اہل مدینہ علم وفہم کے لیے مخصوص تھے۔ کیوں کہ اس بات پر عبدالرحمن بن عوفؓ اور حضرت عمرؓ جیسی اہم ہستیوں نے اتفاق کیا ہے۔ ابن بطالؒ کے بیان کے مطابق محدث مہلبؒ کی یہی رائے ہے۔ ابن بطالؒ نے اس کی تائید کی ہے۔ ہمارے خیال میں بھی اس دور کے بارے میں یہ بات بالکل صحیح ہے۔''[۲]

ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزمؒ کہتے ہیں:

''جب تم اہل مدینہ کو کسی معاملہ میں متفق دیکھو تو سمجھ لو کہ وہی حق ہے۔''[۳]

یہ ایک مسلّمہ حقیقت تھی، جس کے انکار کی کوئی شخص جرأت نہیں کرسکتا تھا۔ وہ بلوائی اور فتنہ باز، جن کے ہاتھوں حضرت عثمانؓ نے جام شہادت نوش فرمایا تھا، ان کی نگاہوں سے بھی یہ حقیقت اوجھل نہیں رہی۔ چنانچہ وہ شہادتِ عثمانؓ کے

۱۔ بخاری کتاب المحاربین، باب رجم الحبلی من الزنی اذا احصنت۔ مسند احمد، حدیث نمبر ۳۹۱۔ تاریخ طبری: ۳/۲۰۔ ۲۔ فتح الباری ۱۲: ۱۲۶/

۳۔ مختصر جامع بیان العلم وفضلہ، ص ۲۰۰۔

بعد اہل مدینہ سے کہتے ہیں:

یا أهل المدينة أنتم أهل الشوری وأنتم تعقدون الامامة وحكمكم جائز على الأمة فانظروا رجلاً ونحن لكم تبع ۔۱	اے اہل مدینہ! تم لوگ اہل شوریٰ ہو اور تم ہی کو امامت کے انعقاد کا حق ہے اور تمہارا ہی حکم ساری امت پر جاری ہے۔ لہٰذا کسی آدمی کو خلیفہ منتخب کرو، ہم تمہارے پیچھے چلیں گے۔

بلوائیوں کو اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا۔ وہ اگر اپنے زور اور قوت سے کسی کو خلیفہ منتخب کرتے تو اس پر امت کا اتفاق دشوار تھا۔ امت کے نزدیک وہی فیصلہ قابلِ قبول ہوسکتا تھا جس پر اہل مدینہ کی مہر لگی ہو۔

یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اہل مدینہ یا بالفاظ دیگر مہاجرین وانصار ہی اربابِ حل وعقد تھے۔ اس کے بعد اس دور کے شورائی نظام کا تفصیلی مطالعہ آسان ہے اور یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ مہاجرین کی قیادت اور انصار کے مشورہ سے کس طرح سیاسی امور انجام پذیر ہوئے اور امیر کے اختیار کن حدود میں محدود رہے؟

اہل حل وعقد

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

كل عمل ليس عليه أمرنا فهو رد ۔۲	ہر وہ عمل جس پر ہمارا عمل نہ ہو وہ قابل رد ہے۔

یہ حدیث بہت معروف ہے اور بیش تر کتبِ حدیث میں موجود ہے۔ اس سے یہ راہ نمائی ملتی ہے کہ کسی بھی عمل کے شرعاً قابلِ قبول ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی تائید میں کتاب وسنت کی دلیل پائی جائے اور اسے رسول اللہ ﷺ کے دور مبارک کی سند حاصل ہو، ورنہ اسے تسلیم نہیں کیا جائے گا۔

یہ اصول پوری امت کے لیے ہے۔ اس سے عوام مستثنیٰ ہیں نہ ذمہ دار۔ اس کے تحت سربراہ مملکت کے لیے بھی لازم ہے کہ وہ اپنے فیصلوں میں شریعت کا پابند ہو

۱۔ تاریخ الکامل ۳/۱

۲۔ صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور، صحیح مسلم، کتاب الاقضیۃ، باب نقض الاحکام الباطلہ

اور کسی بھی اہم اقدام سے پہلے امت کو یا اس کے نمائندوں کو مطمئن کرے کہ وہ جادۂ شریعت سے منحرف نہیں ہورہا ہے۔ امت کو اس پر اطمینان نہ ہو تو اس سے باز رہے۔ شوریٰ کا یہی مقصد ہے۔ اس میں سربراہِ ریاست پیش آمدہ مسائل کو اربابِ حل وعقد کے سامنے غور وفکر کے لیے رکھتا ہے، تاکہ راہِ حق وصواب متعین ہوجائے اور زیر بحث معاملہ فردِ واحد کی رائے کے بجائے پوری امت کی رائے کی شکل اختیار کرلے۔

علامہ ابن عبدالبرؒ (م ۴۶۳ھ) نے ایک حدیث نقل کی ہے، جس سے اس اصول کی پوری تائید ہوتی ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ عن النبی قال :انّما الامور ثلاثة أمر تبین لک رشدہ فاتبعه، وأمر تبین لک غیه فاجتنبه، وأمر اختلف فیه فکله الی عالمه ۔۱؎

ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ آں حضرتؐ نے فرمایا: معاملات تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ کہ تم پر اس کے سلسلے میں راہِ صواب واضح ہوگئی، پس اس کی اتباع کرو۔ دوسرا معاملہ وہ ہے جس کی ضلالت تم پر کھل گئی، پس اس سے اجتناب کرو۔ تیسرا معاملہ وہ جس کے ہدایت یا ضلالت ہونے میں اختلاف ہو، اسے اس کے جاننے والے کے حوالے کردو۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

ماعلّمک اللہ فی کتابک فاحمداللہ وما استأثر به علیک من علم فکله الی عالمه ولا تتکلّف ۔۲؎

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کا جو علم تمھیں دیا ہے اس پر اللہ کی حمد وثنا کرو اور جس چیز کا تمھیں علم نہیں دیا گیا اسے اس کے جاننے والے کے حوالے کردو، تکلف اور تصنع نہ کرو۔

مذکورہ بالا حدیث اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ جس معاملہ میں کتاب وسنت کا واضح حکم نہ ہو وہاں عمل اس شخص کے قول کے مطابق ہوگا جو متعلقہ مسئلہ میں کتاب وسنت کا علم اور ان میں بصیرت رکھتا ہو۔ شوریٰ کا منشا ومقصود یہی ہے کہ اصحاب علم سے دینی راہ نمائی حاصل کی جائے اور اس کے مطابق حل ہو۔

۱۔ مختصر جامع بیان العلم وفضلہ، حدیث نمبر ۸۶۹: ۔اس حدیث میں ضعف ہے۔

۲۔ اعلام الموقعین: ج ۱، ص ۴۸

امام بخاریؒ فرماتے ہیں:

إذا قضى الحاكم بجورٍ أو خلافِ أهل العلم فهو ردّ۔ ا؎ — جب حاکم ظلم سے یا اہلِ علم کے خلاف کوئی فیصلہ کرے تو وہ فیصلہ قابلِ رد ہوگا۔

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے جس 'الجماعت' کے اتباع کا حکم دیا ہے اور جس سے خروج دین سے خروج کے مترادف بتایا گیا ہے وہ اہل علم کی جماعت ہے۔ ۲؎

مشہور تابعی ابوالاسود دولیؒ فرماتے ہیں:

الملوک حکّام على الناس والعلماء حکام على الملوک۔ ۳؎ — بادشاہ لوگوں پر حاکم ہیں اور علماء بادشاہوں پر۔

امام رازیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

إن أعمال الأمراء موقوفة على فتاوى العلماء والعلماء فى الحقيقة أمراء الأمراء۔ ۴؎ — امراء کے اعمال علماء کے فتاویٰ پر موقوف ہیں۔ علماء درحقیقت امراء کے بھی امراء ہیں۔

اس ساری بحث کو امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کے ایک باب میں سمیٹ لیا ہے۔ فرماتے ہیں:

باب ماجاء فى اجتهاد القضاة بما أنزل الله تعالىٰ لقوله ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئک هم الظالمون۔ ومدح النبى صاحب الحكمة حين يقضى بها ويعلّمها ولايتكلّف من قبله ومشاورة الخلفاء وسؤالهم أهل العلم۔ ۵؎

امام بخاریؒ کے اس بیان سے تین اصول ہمارے سامنے آتے ہیں:

(۱) نصوص کی عدم موجودگی میں قاضی اجتہاد سے کام لے گا۔

(۲) یہ اجتہاد کتاب وسنت پر مبنی ہوگا، اس سے آزاد نہ ہوگا، کیوں کہ نص قرآنی

ا۔ صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب اذا قضی الحاکم مجبور

۲۔ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، باب قولہ تعالیٰ وکذالک جعلنا کم امۃً وسطاً

۳۔ قاضی بدرالدین (م ۷۳۰ھ)، تذکرۃ السامع والمتکلم، ص ۱۰

۴۔ مفاتیح الغیب، التفسیر الکبیر: ج ۲، ص ۳۵۹

۵۔ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، باب ما جاء فی اجتہاد القضاۃ

کے مطابق جو شخص اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے تحت فیصلہ نہ کرے وہ ظالم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس صاحبِ حکمت کی مدح وتوصیف فرمائی ہے جو اپنی فراست ودانائی سے احکامِ الٰہی کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور جس بات کا علم نہ ہو اس میں خواہ مخواہ تکلف نہیں کرتا۔

(۳) تیسرا اصول یہ کہ خلفاء کو پیش آمدہ مسائل میں اہل علم سے مشورہ کرنا چاہیے اور ان سے نوعیتِ مسئلہ جان کر فیصلہ کرنا چاہیے۔

اس بحث کا تعلق ان امور سے ہے جن میں اجتہاد واستنباط کی ضرورت پڑتی ہے اور جن میں یہ اندیشہ رہتا ہے کہ کہیں ہمارا قول وعمل نصوصِ صحیحہ کے خلاف نہ پڑ جائے، لیکن وہ معاملات جن کا تعلق عوام کی فلاح وبہبود سے ہو ان میں اسلامی ریاست کا طریقۂ کار بھی احادیث میں واضح کر دیا گیا ہے۔ علماء امت کی تشریحات نے اسے بالکل نکھار کر رکھ دیا ہے۔

صنعت وحرفت کی آزادی

رسول اللہ ﷺ کا ہر قول وفعل من حیث الرسول ہمارے لیے حجت اور سند ہے۔ لیکن دنیوی معاملات میں اور ان مسائل میں جن کا تعلق وحی ورسالت سے نہ ہو خود آپ نے تصریح فرمادی ہے کہ ان میں لوگ اپنے علم اور تجربہ پر عمل کریں گے۔ عرب میں کھجور کے درختوں میں پیوند لگانے کا طریقہ عام تھا۔ آپ نے دیکھا تو فرمایا: بہتر ہے کہ یہ نہ کیا جائے۔ صحابۂ کرام نے تعمیل ارشاد میں پیوند لگانا ترک کر دیا۔ اس کے نتیجے میں اگلے سال فصل گھٹ گئی۔ آپ کو اس کا علم ہوا تو فرمایا:

إنما أنا بشر إذا أمرتكم بشيء من دينكم فخذوا به، وإذا أمرتكم بشيء من رأيي فإنما أنا بشر۔[۱]	میں ایک بشر ہوں، جب میں تمہیں تمہارے دین کے متعلق کوئی بات بتاؤں تو اسے لے لو، لیکن جب میں اپنی رائے سے تمہیں کوئی حکم دوں تو میری حیثیت صرف ایک آدمی کی سی ہے۔

یہ صحیح مسلم کی روایت ہے۔ اس پر امام نوویؒ نے ان الفاظ میں باب باندھا ہے:

۱۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب وجوب امتثال ما قالہ شرعاً دون ما ذکر، حدیث نمبر ۱۳۹: — ۱۴۰، مسند احمد، حدیث نمبر ۱۳۹۹

باب وجوب امتثال ماقالہ شرعاًدون ماذکرہ ﷺ من معایش الدنیا علی سبیل الرأی۔

(باب اس امر کے بیان میں کہ رسول اللہ ﷺ نے بطور شریعت جو فرمایا اس کی بجاآوری واجب ہے، لیکن دنیا کی معیشت اور روزگار کے سلسلے میں جو رائے دی اس کا یہ حکم نہیں ہے۔)

اس حدیث سے یہ اصول مستنبط ہوتا ہے کہ جن امور کا تعلق وحی ورسالت سے نہیں، بلکہ انسان کے علم اور تجربہ سے ہے اور جن سے فرد اور سماج کو فائدہ پہنچ رہا ہے، اسلام ان کو جاری رکھنے کا حکم دیتا ہے۔ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ ان کی ہمت افزائی کرتا ہے۔ زراعت، صنعت وحرفت اور دست کاری کے مختلف شعبے سماج کی بنیادی ضرورت ہیں۔ علماء نے اس کی تکمیل کو فرض کفایہ قرار دیا ہے۔ اس لیے وہ تمام فنون اختیار کیے جانے چاہییں جن سے اس ضرورت کی تکمیل ہو۔ اس میں ریاست کی مداخلت صحیح نہ ہوگی، بلکہ اسے اس میں معاون ہونا چاہیے۔

نظامِ سلطنت

سیاست بھی اسی نوعیت کا مسئلہ ہے۔ جماعت سازی، عوام کی نمائندگی، اقلیتوں، خواتین اور کم زور طبقات کی ملکی سیاست میں شرکت، نمائندوں کا انتخاب، ان سب امور کا شریعت نے کوئی متعین طریقہ نہیں طے کیا ہے۔ احکامِ شرع اور اخلاقی حدود کی پابندی کے ساتھ مناسب طریقۂ کار اختیار کیا جاسکتا ہے۔

یہاں از خود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا امت کا ہر فرد اجتماعی معاملات میں براہِ راست دخیل ہوگا؟ ظاہر ہے کہ یہ ایک ناممکن العمل صورت ہے۔ اس طرح نہ کوئی معاملہ طے پاسکتا ہے اور نہ فلاح وترقی کی راہ میں کوئی قدم اٹھایا جاسکتا ہے، اس لیے کہ اہم قومی وملی مسائل میں ہر فرد کی رائے حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اجتماعی اور سیاسی امور میں ایسے مسائل بھی اٹھ سکتے ہیں جن میں پوری امت سے رائے لینی پڑے۔ آج دنیا جمہوریت کی دعوے دار اور

نت نئے وسائل وذرائع کی مالک ہونے کے باوجود اس مقصد میں کماحقہ کام یاب نہیں ہوئی ہے۔ بنیادی اور قوم کی قسمت کے فیصلہ کن معاملات میں بھی اگر کسی ملک کی ایک تہائی آبادی حصہ لیتی ہے تو اسے بہت بڑی کام یابی تصور کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے معاملات میں اگر امت کے ہر شخص کی رائے لینے کی کوشش کی جائے تو یہ چیز اسلام کی تعلیم اور اس کی روح سے قریب تر ہوگی، لیکن یہ ممکن نہیں ہے۔ اسلام نے ایک ایسی قابل عمل اور خالص جمہوری صورت امت کے سامنے رکھ دی ہے کہ ہزار سعی وجہد کے باوجود اس سے بہتر صورت تجویز نہیں کی جاسکتی۔

کتاب وسنت نے اپنے ماننے والوں کو ہدایت دی ہے کہ اس قسم کے تمام معاملات میں اہلِ حل وعقد اور امت میں اثر ورسوخ رکھنے والا اور معتمد طبقہ سر جوڑ کر بیٹھے اور فلاحِ امت کی راہ تجویز کرے اور امت اس نمائندہ گروہ کے احکام کے روبرو سرِ تسلیم خم کردے اور عمل کے لیے کمربستہ ہوجائے:

يَأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ أَطِيْعُواْ اللّٰهَ وَأَطِيْعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلاً۔ (النساء ۵۹:)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں اصحابِ امر ہیں۔ اگر تم کسی معاملے میں تنازعہ کرنے لگو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹادو، اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ طریقہ بہتر اور عمدہ ہے انجام کے لحاظ سے۔

اس آیت میں اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والوں پر تین قسم کی اطاعتیں فرض کی گئی ہیں: اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے رسول کی اطاعت اور 'اولوالامر' کی اطاعت۔ ساتھ ہی یہ بھی واضح کردیا گیا ہے کہ بلا قید اور بے چوں وچرا اطاعت صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ہوگی۔ کتاب وسنت ہی وہ آخری معیار ہیں جن کے روبروہر ایک کو جبینِ نیاز خم کردینی پڑے گی۔ 'اولوالامر' اللہ اور اس کے رسول کی ہدایات کے تابع ہوں گے۔ ان کا کوئی حکم اس کے خلاف نظر آئے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کیا جائے گا اور سب ان کی ہدایات کے پابند ہوں گے۔

اولوالامر کون ہیں؟

'اولوالامر' کون ہیں؟اس کی تشریح اسی سورت کے دوسرے مقام پر کردی گئی ہے۔ منافقین کے سلسلے میں ارشاد ہوا کہ ان کی فتنہ جوئی اور بدنیتی کا یہ حال ہے کہ ملک کے اندر امن وامان اور چین وسکون کی آمد آمد ہو یا کسی خارجی خطرے اور خوف و بدامنی کا اندیشہ، یہ بدطینت اس خبر کو اس طرح نشر کرتے ہیں کہ عوام حالات کا صحیح اندازہ نہیں کر پاتے۔ یا تو فرطِ مسرت سے بے قابو ہوجاتے ہیں یا پریشانی وسراسیمگی کا شکار ہوجاتے ہیں اور ان پر خوف وہراس کے بادل منڈلانے لگتے ہیں، حالاں کہ ان کے لیے صحیح روش یہ تھی کہ وہ معاملات کو اللہ کے رسول اور اس طبقہ کے حوالے کردیتے جو حالات کا ٹھیک جائزہ لینے اور مقدمات سے درست نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں:

وَإِذَا جَاءهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُواْ بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُوْلِيْ الأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ۔(النساء۸۳:)	اور جب ان کے پاس کوئی معاملہ آتا ہے امن یا خوف کا تو یہ اسے پھیلادیتے ہیں۔اگر یہ اسے اللہ کے رسول اور ان میں جو اصحاب امر ہیں ان کی طرف لوٹاتے تو ان میں جو اہل استنباط ہیں وہ اسے سمجھتے (اور مناسب عملی اقدام کرتے۔)

یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ غیر معمولی اور نازک حالات میں بیک وقت رسول اللہ ﷺ اور 'اولوالامر' کی طرف مراجعت کا حکم دیا جارہا ہے، جس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ 'اولوالامر' انتظامیہ سے متعلق طبقہ نہیں ہے، بلکہ یہ وہ طبقہ ہے جو اپنی دوربیں نگاہ، اور حقیقت آشنا فہم سے معاملات کی تہ تک پہنچ سکتا ہے، جس کے اندر مسائل کے مالہ وماعلیہ سے واقف ہونے کی صلاحیت ہے اور جو امت کے لیے فلاح وبہبود کی راہ تجویز کرسکتا ہے۔

ابن خویز منداد ؒ کہتے ہیں:

''اگر کسی حاکم کو دین کے کسی مسئلے کا صحیح علم نہ ہو یا اور کوئی پیچیدگی

پیدا ہوجائے تو اس کے لیے علماء کی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔ اسی طرح معاملاتِ جنگ میں قائدین، دنیوی امور میں اکابرِ قوم اور شہروں کی آبادکاری اور ان کی صلاح وفلاح کے سلسلے میں وزراء اور گورنروں کی طرف مراجعت ضروری ہے۔''[۱]

شیخ محمد عبدہٗ مصری فرماتے ہیں کہ'' انہوں نے ایک عرصہ تک 'اولوالامر' کی حقیقت پر غور کیا، بالآخر وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ 'اولوالامر' سے مراد مسلمانوں کے اربابِ حل وعقد ہیں۔ اس کا دائرہ وسیع ہے۔ اس میں علماء، امراء، حکام، روسائِ جنود، اکابرِ قوم اور وہ تمام رہ نما آتے ہیں، جن کی طرف امت اپنی ضروریات اور مصالح میں رجوع کرتی ہے۔ اگر امت کا یہ طبقہ کسی معاملے پر متفق ہوجائے تو امت پر اس کی اطاعت واجب ہوگی۔ بشرطے کہ 'اولوالامر' مسلمانوں میں سے ہوں، ان کا حکم کتاب وسنت کے خلاف نہ پڑتا ہو اور وہ اپنی بحث وتمحیص اور فیصلہ میں کسی جبر اور دباؤ میں نہ ہوں۔ علاوہ ازیں ان کے اجتہاد کا دائرہ مصالح مومنین تک محدود ہو۔''[۲]

اسلامی ریاست ایک دینی ریاست ہوگی اور اس میں جس معاملہ پر بھی غور وخوض ہوگا دین ہی کے تحت ہوگا اور اس بات کی کوشش کی جائے گی کہ اس کے اقدامات کتاب وسنت کی اساس پر ہوں۔ اس لیے بعض ائمہ تفسیر نے 'اولوالامر' کا مصداق طبقۂ علماء کو قرار دیا ہے اور یہ رائے اپنی جگہ بڑی حد تک مبنی برحقیقت ہے۔ کیوں کہ اسلامی ریاست کے اربابِ بست وکشاد حالاتِ وقت کے نبّاض ہونے کے ساتھ کتاب وسنت کا علم اور اس میں گہری بصیرت رکھنے والے ہی ہوں گے۔

احادیث نے اس اجمال کو تفصیل سے واضح کردیا ہے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ سے قرآن کی اس آیت: ''**فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ**۔ آل عمران ۱۵۹:'' (جب تم کسی بات کا فیصلہ کرلو تو اللہ پر اعتماد کرو اور آگے بڑھو۔) کا مطلب دریافت کیا گیا کہ کیا یہ 'عزم' امیر اپنی صواب دید سے کرے گا، یا اہل الرائے کے مشورہ کے مطابق ہوگا؟ آپ نے جواب دیا: ''**استشارة أهل الرأي ثم**

۱۔ تفسیر قرطبی، ج ۴، ص ۲۴۹

۲۔ تفسیر المنار: ج ۵، ص ۱۸۱

اتباعهم۔''یعنی اہل الرائے سے مشورہ کیا جائے،مشورہ کے بعد حیص بیص کی ضرورت نہیں، بلکہ کارسازِ حقیقی پر تکیہ کیا جائے اور مشورہ کے مطابق عمل کیا جائے۔ا؎

حضرت علیؓ ہی سے ایک دوسری روایت ہے:

عن علی رضی اللہ عنہ قال قلت یارسول اللہ إن عرض لی أمر لم ینزل فیه قضاء فی أمره ولاسنة کیف تأمرنی؟قال تجعلونه شوریٰ بین أهل الفقه والعابدین من المؤمنین ولاتقض برأیک خاصة۔۲؎

حضرت علیؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: میں نے آں حضرتؐ سے دریافت کیا کہ اگر میرے رؤبرو کوئی ایسا معاملہ آ جائے جس کے بارے میں نہ تو کوئی فیصلہ نازل ہوا ہو اور نہ کوئی سنت موجود ہو،ایسی صورت میں آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟آپؐ نے فرمایا: تم لوگ اس معاملہ کو دین کی سمجھ رکھنے والے اور خداترس مومنوں کی شوریٰ کے حوالے کردواور اپنی تنہارائے سے فیصلہ نہ کرو۔

پہلی روایت میں آں حضرتؐ نے صرف مثبت جواب دیا تھا کہ اہل الرائے سے مشورہ کیا جائے اوران کے مشورہ کی پابندی کی جائے، دوسری روایت نے اثبات ونفی دونوں پہلوؤں کو جمع کر دیا ہے۔یہاں آپؐ نے صریح الفاظ میں یہ اصول بیان فرمایا کہ جن امور میں کتاب وسنت کی راہ نمائی نہ ہو انہیں خداترس اور فہم وبصیرت رکھنے والے افراد کے حوالہ کیا جائے،تا کہ وہ اللہ کے خوف اوراحساس ذمہ داری کے تحت اس کے بارے میں فیصلہ کرسکیں۔اس اصول سے کوئی اسلامی ریاست انحراف نہیں کرسکتی۔

حضرت ابوسلمہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے ان مسائل کے حل کا طریقہ دریافت کیا گیا جن میں کتاب وسنت کی کوئی واضح رہ نمائی موجود نہ ہو۔آپؐ نے جواب دیا: ''**ینظر فیه العابدون من المؤمنین۔**''یعنی عبادت گزار اورتقویٰ شعار اہل ایمان اس پر غور کریں گے۔۳؎

ا۔ تفسیر ابن کثیر بحوالۂ ابن مردویہ، ج ا،ص ۴۲

۲۔ جامع بیان العلم ر ۶۳ ۳ — ۶۴ ۳،رواہ الطبرانی فی الاوسط۔

۳۔ سنن دارمی، باب التورع عن الجواب فی مالیس فی کتاب ولاسنۃ،ص ۲۸

حضرت ابوبکرؓ اپنے ایک خطبہ میں فرماتے ہیں:

ولیکن الابرام بعد التشاور والصفقة بعد طول التناظر۔۱	قطعی فیصلہ مشورہ کے بعد ہونا چاہیے اور طویل مباحثہ کے بعد کسی بات کو آخری شکل دینا چاہیے۔

حضرت عمرؓ قاضی شریحؒ سے فرماتے ہیں:

اقض بما استبان لک من کتاب اللہ، فان لم تعلم کل کتاب اللہ فاقض بما استبان لک من قضاء رسول اللہ، فان لم تعلم کل قضاء رسول اللہ فاقض بما استبان لک من الائمة المهتدین، فان لم تعلم کل ماقضت به الائمة المهتدین فاجتهد رأیک واستشر أهل العلم والصلاح۔۲	اللہ کی کتاب سے تمہیں جو راہ نمائی حاصل ہو اس کے مطابق فیصلہ کرو۔ اگر تمہیں پوری کتاب اللہ کا علم نہیں ہے تو نبی ﷺ کا فیصلہ معلوم ہو تو اس کے مطابق فیصلہ کرو۔ اگر رسول اللہ ﷺ کے تمام فیصلوں سے بھی آگاہی نہ ہو تو ہدایت یافتہ ائمہ کے طریقے کے مطابق فیصلہ کرو۔ اگر تمہیں ائمہ مہتدین کے سب فیصلوں کا علم نہیں ہے تو خود اجتہاد کرو اور اہل علم اور اصحابِ صلاح سے مشورہ کرو۔

مشیرانِ خاص

صحابۂ کرام میں حضرت ابوبکرؓ کا مقام سب سے ارفع واعلیٰ تھا۔ وہ انتہائی صائب الرائے تھے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور نصرت بھی ان کے شامل حال تھی۔ حضرت معاذؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إن اللہ یکرہ فوق سمائه أن یخطأ أبوبکر الصدیق فی الأرض۔۳	اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے اپنے آسمان پر (اس کا چرچا فرشتوں میں ہے) کہ ابوبکر صدیق زمین میں غلطی کریں۔

مشہور تابعی حضرت سعید بن مسیبؒ کہتے ہیں: "آں حضرت ﷺ کی خدمت میں حضرت

۱۔ عیون الاخبار: ج ۴، ص ۲۳۳ ۲۔ کنز العمال: ج ۳، ص ۱۴۷

۳۔ یہ طبرانی اور ابن شاہین وغیرہ کی روایت ہے، لیکن سنداً ضعیف ہے۔ مناوی، التیسیر بشرح الجامع الصغیر: ۱/ ۲۷۷۔ حافظ ابن حجر نے اس حدیث کو طبرانی کے حوالے سے نقل کیا ہے، لیکن کوئی جرح نہیں کی ہے۔ الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ۴: ۱۴۸/، نمبر ۴۸۳۵۔

ابوبکرؓ کوایک وزیر کاسامرتبہ حاصل تھا،جن سے آپ تمام معاملات میں مشورہ کیا کرتے تھے۔۱

غالباً یہی وجہ تھی کہ وہ عرب جوروم وفارس کے نظامِ سلطنت سے واقف تھے، حضرت ابوبکرؓ کورسول اکرم ﷺ کا وزیر ہی کہا کرتے تھے۔۲

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ رات میں حضرت ابوبکرؓ سے امورِ مسلمین میں گفتگو فرماتے تھے اور میں بھی شریک ہوتا۔''۳

رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں بزرگوں کو کس طرح اپنا شریک کار بنائے رکھا تھا، اس کا اندازہ آپ کی زندگی بھر کے رفیق حضرت علیؓ کے بیان سے ہوتا ہے۔فرماتے ہیں: ''بے شمار دفعہ میں نے آں حضرتؐ کی زبان مبارک سے اس قسم کے کلمات سنے ہیں: میں نے اور ابوبکرؓ وعمرؓ نے یہ کام کیا، میں اور ابوبکرؓ وعمرؓ فلاں مقام پر گئے تھے، میں اور ابوبکرؓ وعمرؓ فلاں جگہ سے واپس ہوئے۔''۴

حضرت حذیفہ بن الیمانؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آں حضرت ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے: ''جس طرح حضرت عیسیٰؑ نے اپنے حواریوں کو مختلف مقامات پر تعلیم کی غرض سے روانہ کیا تھا، میری بھی خواہش ہے کہ اسی طرح میں بھی کچھ آدمیوں کو اطرافِ ملک بھیجوں، تاکہ وہ دین کی تعلیم دیں۔اس پر کسی نے عرض کیا کہ کیوں نہ آپ اس کام پر ابوبکرؓ وعمرؓ کولگادیں۔آپ نے جواب دیا:

''میں ان دونوں کو دور نہیں بھیج سکتا۔امورِ دین میں ان کی حیثیت میرے سمع وبصر کی سی ہے۔میں ان سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔''۵

اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ آپؐ نے یمن کسی عامل کو روانہ کرنا چاہا تو حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ تیار ہوگئے،لیکن آپ نے انہیں نہیں بھیجا،حضرت معاذ بن جبل کو روانہ کیا۔۶

رسول اللہ ﷺ ان دونوں سردارانِ امت کے مشورہ کو جو اہمیت دیتے تھے، اسے خود آپؐ کی زبان مبارک نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

۱۔ حاکم،المستدرک ۳/ ۶۳ ۲۔ مقدمہ ابن خلدون: ص ۲۰۶

۳۔ مسند احمد، حدیث نمبر ۱۷۸، ترمذی، ابواب الصلوٰۃ، باب ماجاء فی الرخصۃ فی السمر بعد العشاء

۴۔ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، حدیث نمبر: ۳۶۷۷

۵۔ حاکم، المستدرک ۳/ ۷۴ ۶۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ الخمیس ۲: ۱۵۸/

لو اجتمعتما فی مشورۃ ما خالفتکما۔ [۱] اگر تم دونوں کسی معاملے پر متفق ہوجاؤ تو میں اس کی مخالفت نہیں کروں گا۔

حدیث اور تاریخ کے صفحات شہادت دیتے ہیں کہ ان دونوں بزرگوں کے ساتھ بعض دوسرے اعیانِ ملت بھی آپ کے مشیروں میں شامل تھے۔

حضرت علیؓ کے بارے میں آپؐ نے فرمایا: ''موسیٰؑ کے لیے ہارونؑ کی جو حیثیت تھی وہی حیثیت تمہاری میرے نزدیک ہے۔'' [۲] اس ارشاد کا گو ایک خاص پس منظر ہے، لیکن اس سے آں حضرتؐ کے نزدیک ایک اور شخصیت کے مرتبہ ومقام کے تعین میں مدد ملتی ہے۔

طائف کی جنگ کے موقع پر آپؐ نے حضرت علیؓ سے تنہائی میں گفتگو فرمائی تو اس پر بعض لوگوں نے کہا: آں حضرت ہمیں چھوڑ کر اپنے چچازاد بھائی سے ہم کلام ہیں۔ آپ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا: ''اللہ نے مجھے اس سے سرگوشی کا حکم دیا ہے۔'' [۳] یعنی وہ مستحقِ راز داری ہیں اور اہم معاملات میں ان سے گفتگو کرنا منشائے الٰہی کے عین موافق ہے۔

ایک روایت میں مزید مشیروں کا اجمالی ذکر ہے:

عن عبداللّٰہ بن ملیل قال سمعت علیا یقول، سمعت رسول اللّٰہ ﷺ لیس من نبی کان قبلی الا قدأعطی سبعة نقباء وزراء نجباء، وانی أعطیت أربعة عشر وزیراً نقیباً نجیباً سبعة من قریش وسبعة من المهاجرین۔ [۴]

عبداللہ بن ملیل کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ سے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھ سے پہلے جو بھی نبی گزرے ان کو سات نقباء (سردار) شریف وزراء دیے گئے اور مجھے چودہ وزیر شریف نقیب دیے گئے۔ سات (کل) قریش میں سے اور سات مہاجرین میں سے۔

اس قسم کی اور بھی تصریحات مل سکتی ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے باقاعدہ مشیر تھے، جن سے آپؐ مشورہ فرمایا کرتے تھے۔

۱۔ الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ۴: ۱۴۸ ۲۔ صحیح بخاری کتاب اصحاب النبی، باب مناقب علی بن طالب

۳۔ جامع ترمذی، ابواب المناقب، حدیث نمبر: ۳۷۲۶

۴۔ مسند احمد: ۱/۱۴۱، حدیث نمبر: ۶۶۷۔ احمد شاکر نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ ۱/ ۴، حدیث نمبر ۶۶۵۔

قرآن کریم میں غیر عربی زبانوں کے الفاظ

جناب نعمت اللہ مشعل

قرآن کریم اسلام کی اساس اور بنیاد ہے۔ اس لیے مختلف پہلؤوں سے اس پر تحقیقات ہوتی رہی ہیں۔ مفسرین اور فقہائے کرام نے جہاں قرآن کریم سے مستنبط ہونے والے مسائل اور رموز و اسرار پر بحث وتحقیق کی ہے وہیں اس کی زبان، اندازِ بیان اور دیگر محاسن پر بھی بڑی علمی خدمت انجام دی ہے۔ علوم قرآن کی ایک اہم بحث یہ ہے کہ کیا قرآن کریم میں دیگر زبانوں کے الفاظ بھی شامل ہیں؟ اس مضمون میں اسی بحث کا جائزہ لینے کی کوشش کی جائے گی۔

وہ لفظ جو کسی دوسری زبان سے منتقل ہو کر عربی زبان کا حصہ بن جائے اسے 'معرّب' اور منتقلی کے اس عمل کو 'تعریب' کہا جاتا ہے۔ مشہور ماہر لغت ابو المنصور الجوالیقی لکھتے ہیں:

التعریب ھو نقل اللفظ من العجمة الیٰ العربیة۔[1]

"کسی لفظ کی عجمی زبان سے عربی زبان کی طرف منتقلی کو تعریب کہا جاتا ہے۔"

امام شافعیؒ نے اپنی کتاب الرسالہ میں لکھا ہے:

ومن جماع العلم کتاب اللہ: العلم بأن جمیع کتاب اللہ انما أنزل بلسان العرب۔[2]

"اور کتاب اللہ علم کا سرچشمہ ہے۔ یہ بات جاننا چاہیے کہ پوری کتاب اللہ عربی ہی میں نازل ہوئی ہے۔"

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پاک میں کسی دوسری زبان کے الفاظ استعمال نہیں ہوئے ہیں، بلکہ پورا قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔

دوسری طرف علامہ جلال الدین سیوطیؒ اپنی مختصر تفسیر' الاکلیل فی استنباط التنزیل' میں سورۃ الفرقان کی آیت: ۶۰ وَاِذَاقِيۡلَ لَهُمُ اسۡجُدُوۡا لِلرَّحۡمٰنِ کے ذیل میں فرماتے ہیں:

واستدلّ به من قال :ان الرحمٰن ليس عربياً، و الّا لما أنكروه كما لم ينكروا الله۔ ۳؎

''اس آیت سے وہ لوگ استدلال کرتے ہیں جنہوں نے کہا ہے کہ 'الرحمٰن' عربی زبان کا لفظ نہیں ہے۔اگر وہ عربی کا لفظ ہوتا تو کفار اس سے ناواقفیت کا اظہار نہ کرتے، جیسے انہوں نے لفظ 'اللہ' سے ناواقفیت کا اظہار نہیں کیا۔''

ابو المنصور الجوالیقی نے لکھا ہے:

''قدیم زمانوں سے مختلف زبانوں کے سیکڑوں الفاظ عربی زبان میں داخل ہوئے ہیں، عربوں نے ان میں بات کی ہے، فصحاء نے انہیں اپنے کلام میں استعمال کیا ہے، شعراء نے اپنے اشعار میں جگہ دی ہے اور قرآن کریم اور احادیث نبوی میں بھی وہ وارد ہوئے ہیں۔'' ۴؎

علامہ سیوطیؒ اور ابومنصور جوالیقیؒ کی ان عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم اور احادیثِ نبوی میں عربی زبان کے علاوہ دیگر زبانوں کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں۔

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قرآن کریم میں غیر عربی زبان کے الفاظ کے استعمال ہونے یا نہ ہونے کے سلسلے میں دو آراء پائی جاتی ہیں:

۱۔ قرآن کریم کا نزول خالص عربی زبان میں ہوا ہے۔اس میں کسی دوسری زبان کے الفاظ شامل نہیں ہیں۔

۲۔اس میں عربی زبان کے علاوہ دوسری زبانوں کے الفاظ بھی شامل ہیں۔ پہلی رائے رکھنے والوں میں امام شافعیؒ، ابن عطیہؒ اور ابن فارس قابل ذکر ہیں۔جب کہ دوسری رائے رکھنے والوں میں ابن جریر طبریؒ ابوعبیدہ القاسمؒ اور قاضی ابوبکرؒ ودیگر شامل ہیں۔ ۵؎

قرآن کریم کے خالص عربی زبان میں نزول کے قائلین کے دلائل

جو لوگ اس رائے کے قائل ہیں کہ قرآن کریم خالص عربی میں نازل ہوا ہے، ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ۔ (یوسف ۲:)

''یقیناً ہم نے اس کو قرآن بنا کر عربی زبان میں نازل کیا ہے، تا کہ تم سمجھ سکو۔''

دوسری جگہ اس نے فرمایا ہے:

وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَعْجَمِيًّا لَّقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ أَأَعْجَمِيٌّ وَعَرَبِيٌّ قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ وَقْرٌ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى أُولَٰئِكَ يُنَادَوْنَ مِن مَّكَانٍ بَعِيدٍ۔ (حم السجدۃ ۴۴:)

''اور اگر ہم اسے عجمی زبان کا قرآن بناتے تو یہ لوگ کہتے کہ اس کی آیتیں صاف صاف کیوں نہیں بیان کی گئیں؟ یہ کیا کہ کتاب عجمی ہے اور آپ عربی رسول ہیں؟ کہہ دیجئے! کہ یہ تو ایمان والوں کے لیے ہدایت و شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں (بہرہ پن اور) بوجھ ہے اور یہ ان پر اندھا پن ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کسی بہت دور دراز جگہ سے پکارے جا رہے ہیں۔''

یہ حضرات یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ قرآن کریم میں غیر عربی الفاظ شامل ہونے کا مطلب یہ ہوگا کہ عربی زبان میں نقص اور کمی ہے، حالاں کہ عربی زبان بہت وسیع ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس بات کی کوئی ضرورت نہیں تھی کہ وہ اپنے بندوں تک اپنا کلام پہنچانے کے لیے دوسری زبانوں کے الفاظ قرآن کریم میں استعمال کرے۔ امام شافعیؒ اپنی کتاب 'الرسالہ' میں فرماتے ہیں:

''فقال منهم قائل۔ انّ فی القرآن عربیاً و أعجمیاً، والقرآن یدلّ

علی أن لیس من کتاب اللہ شیء الا بلسان العرب۔"۶؎

"بعض لوگوں نے کہا ہے کہ قرآن کریم میں عربی اور عجمی دونوں طرح کے الفاظ موجود ہیں، حالاں کہ خود قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں عربی زبان کے علاوہ کسی دوسری زبان کا لفظ موجود نہیں ہے۔"

آگے امام شافعیؒ قرآن کریم میں عجمی الفاظ پائے جانے کے قائلین پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

و وجد قائل هذا القول من قبل ذلک منه تقلیداً له و ترکاً للمسألة له عن حجته، و مسألة لغیره ممّن خالفه و بالتقلید أغفل من أغفل منهم و اللہ یغفر لنا و لهم۔"۷؎

"اس رائے کے قائل کو ایسے تقلید کرنے والے مل گئے جنہوں نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ اس کے پاس دلیل کیا ہے؟ اور نہ کسی مخالفت کرنے والے سے مخالفت کی وجہ پوچھی۔ بہت سے بے سوچے سمجھے دوسروں کی تقلید کرنے والے غفلت میں رہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف کرے اور ان کو بھی۔"

امام شافعیؒ نے اپنی فقہی تفسیر 'احکام القرآن' میں لکھا ہے کہ جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ قرآن کریم میں عربی کے علاوہ دیگر زبانوں کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ عربی کثیر الفاظ رکھنے والی ایک وسیع زبان ہے۔ پیغمبر ﷺ کے علاوہ کوئی دوسرا انسان پوری زبان کا احاطہ نہیں کرسکتا، اس وجہ سے قرآن کے بعض الفاظ سے ناقفیت کی بنا پر انہوں نے یہ خیال کیا کہ یہ الفاظ عربی زبان کے نہیں، کسی دوسری زبان کے ہیں۔ ۸؎

امام بدر الدین زرکشی اپنی کتاب 'البرہان فی علوم القرآن' میں فرماتے ہیں:

"اعلم أن القرآن أنزله اللہ تعالی بلغة العرب، فلا تجوز قراءته و تلاوته الا بها۔ لقوله تعالی: إِنَّا أَنْزَلْنٰهُ قُرْئٰنًا عَرَبِيًّا۔ و قوله تعالی: وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا الآیة۔ و هذا یدلّ علی أنه لیس فیه غیر العربی۔ لأنّ اللہ تعالیٰ جعله معجزةً شاهدةً لنبیه علیه الصلوٰة و السلام دلالةً قاطعةً لصدقه۔ و لیتحدّی العرب العرباء به، و

يحاضر البلغاء والفصحاء والشعراء بآياته۔ فلو اشتمل على غير لغة العرب لم تكن له فائدة۔ " ۹ ؎

''جان لو۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو عربی زبان میں نازل کیا ہے۔ پس اس کی قراءت اور تلاوت عربی زبان ہی میں جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''یقیناً ہم نے اس کو قرآن بنا کر عربی زبان میں نازل فرمایا ہے۔'' اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اور اگر ہم اسے عجمی زبان کا قرآن بناتے الآیۃ۔'' یہ آیتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ اس میں غیر عربی الفاظ نہیں ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو اپنے نبی کے لیے معجزہ بنایا ہے جو آپؐ کی صداقت کی قطعی دلیل ہے، تا کہ آپؐ تمام عرب کو اس کے ذریعے چیلنج کر سکیں اور اس کی آیتوں کے ذریعے بلغاء، فصحاء اور شعراء کے ساتھ مباحثہ کیا جا سکے۔ اگر قرآن کو غیر عربی الفاظ پر مشتمل مانا جائے تو پھر (مذکورہ مقاصد کے لیے) وہ فائدہ مند نہ ہوگا۔''

اسی طرح امام ابن جریر طبریؒ کی بھی یہ رائے معلوم ہوتی ہے کہ قرآن میں معرّب الفاظ موجود نہیں ہیں۔ وہ اپنی معرکہ آرا تفسیر 'جامع البیان عن تاویل آی القرآن' میں فرماتے ہیں:

''ان كلّ رسولٍ الله جل ثنائه أرسله الى قوم فإنما أرسله بلسان من أرسله اليه، و كلّ كتاب أنزله على نبى و رسالةٍ أرسلها الى أمة، فانما أنزله بلسان من أنزله أو أرسله اليه۔ فاتضح بما قلنا و وصفنا أنّ كتاب الله الذى أنزله الى نبينا محمد ﷺ، بلسان محمد ﷺ و اذا كان لسان محمد عربياً فبيّن أن القرآن عربىٌ۔ و بذلك أيضاً نطق محكم تنزيل ربنا، فقال جلّ ذكره۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا۔ وقال وإنه لتنزيل من رب العٰلمين نزل به الروح الأمين علٰى قلبك لتكون من المنذرين بلسان عربى مبين۔ اذا كانت واضحة صحة ما قلنا بما عليه استشهدنا من

الشواھدو دلّلنا علیہ من الدلائل فالواجب أن تکون معانی کتاب اللہ المنزّل علی نبینا محمد ﷺ لمعانی کلام العرب موافقۃ۔" ۱۰۱ ؎

"اللہ نے اپنے ہر رسول کو جس قوم کے لیے بھیجا ہے اسے اسی قوم کی زبان میں بھیجا ہے اور جو کتاب بھی کسی نبی پر نازل کی ہے یا جو پیغام بھی کسی امت کے لیے بھیجا گیا ہے اسے اسی کی زبان میں نازل کیا گیا ہے۔ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس سے واضح ہوا کہ اللہ نے جو کتاب (قرآن) ہمارے نبی محمد ﷺ پر نازل کی ہے اسے آپؐ کی زبان ہی میں نازل کیا ہے اور جب آپؐ کی زبان عربی تھی تو واضح ہوا کہ قرآن عربی ہی میں نازل ہوا ہے۔ اسی بات کو قرآن میں یوں بیان کیا گیا ہے : "یقیناً ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے اور بے شک یہ (قرآن) رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے۔ اسے امانت دار فرشتہ لے کر آپ کے دل پر اترا ہے، تا کہ آپ آگاہ کر دینے والوں میں سے ہو جائیں۔ یہ واضح عربی زبان میں ہے۔" جب دلائل و شواہد کی بنیاد پر ہماری بات کا درست ہونا واضح ہو گیا تو اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ پر اللہ کی طرف سے نازل ہونے والی کتاب کلامِ عرب کے موافق ہو۔"

ابن الفارس فرماتے ہیں:

"لو کان فیہ من لغۃ غیر العرب شیئ لتوھّم متوھّم أنّ العرب انما عجزت عن اتیان بمثلہ لانہ أتیٰ بلغات لا یعرفونھا ۔" ۱۱ ؎

"اگر قرآن میں غیر عربی الفاظ ہوتے تو وہم کرنے والے کو یہ وہم ہوتا کہ عرب قرآن کے مثل لانے سے اس وجہ سے عاجز تھے کہ قرآن میں ایسے الفاظ آئے تھے جو انہیں معلوم نہ تھے۔"

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں اس عنوان سے ایک ترجمۃ الباب قائم کیا ہے : "باب:

نزل القرآن بلسان قریش والعرب۔" اس کے تحت انہوں نے یہ حدیث بیان کی ہے:

"أمر عثمان زیدبن ثابت وسعد بن وقاص و عبداللہ بن الزبیروعبد الرحمٰن بن حارث ابن ہشام أن ینسخو ھا فی المصاحف، وقال لھم :اذااختلفتم أنتم وزیدبن ثابت فی عربیة من عربیة القرآن فاکتبو ھا بلسان قریش، فان القرآن أنزل بلسانھم ففعلوا۔ ۱۲

"حضرت عثمان نے زید بن ثابت، سعد بن وقاص، عبد اللہ بن زبیر اور عبدالرحمٰن بن حارث رضی اللہ عنھم کو حکم دیا کہ قرآن کریم کو لکھیں اور فرمایا: اگر تمھارے اور زید بن ثابت کے درمیان قرآن کی عربیت کے سلسلے میں اختلاف پیدا جائے تو اسے قریش کی زبان میں لکھنا، کیوں کہ قرآن ان کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔"

قرآن میں معرّب الفاظ شامل ہونے کے قائلین کے دلائل

جو حضرات قرآن کریم میں غیر عربی زبانوں کے الفاظ کے شامل ہونے کے قائل ہیں ان کا کہنا ہے کہ قرآن کریم میں ہر زبان کے الفاظ موجود ہیں۔ اس لیے کہ وہ آخری الہامی کتاب ہے۔ اس کے بعد کوئی دوسری الہامی کتاب نہیں آئے گی۔ اس میں قیامت تک ہر زبان اور ہر علاقے کے لوگوں کے لیے رہ نمائی اور ہدایت کا ذریعہ ہے، اس لیے ہر زبان کے الفاظ قرآن کریم میں پائے جاتے ہیں۔

ابن عطیہ اندلسیؒ پانچویں صدی کے مفسرین میں سے ہیں۔ وہ اپنی تفسیر 'المحرر الوجیزفی تفسیر کتاب العزیز' میں فریقین کے دلائل یوں ذکر فرماتے ہیں:

"اختلف الناس فی ھذہ المسألة فقال أبو عبید وغیرہ :ان فی کتاب اللہ من کل لغة، و ذھب الطبری وغیرہ الی ان القرآن لیس فیہ لفظة الا وھی عربیة صریحة، و أنّ الأمثلة والحروف التی تنسب الی سائر اللغات انما اتفق فیھا ان توارد ت اللغتان فتکلمت بھا العرب والفرس أوالحبشة بلفظ واحد۔ ۱۳

''اس مسئلے میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ ابوعبیدہ اور دیگر نے کہا ہے: اللہ کی کتاب میں ہر زبان کے الفاظ ہیں، جب کہ طبری اور دیگر اس طرف گئے ہیں کہ قرآن کریم میں صرف عربی الفاظ ہیں۔جن مثالوں اور الفاظ کی نسبت تمام زبانوں کی طرف کی جاتی ہے ان کا معاملہ یہ ہے کہ بسااوقات وہ دونوں زبانوں میں آئے ہیں۔ چنانچہ ایک ہی لفظ عربوں کے کلام میں بھی پایاجاتاہے اور اہل فارس یا اہل حبشہ کے کلام میں بھی۔''

آگے ابن عطیہؒ نے ابن جریر طبریؒ کے موقف کی تردید کی ہے۔لکھتے ہیں:

''**وما ذهب اليه الطبرى من أن اللغتين اتّفقا فى لفظة فذلک بعيد، بل أحدهما أصل والآخر فرع فى الأكثر۔**'' ۱۴؎

''طبری نے جو بات کہی ہے کہ ایک لفظ دو زبانوں میں پایاجاتاہے تو ایسا ہونا دور کی بات ہے۔صحیح بات یہ ہے کہ کوئی بھی لفظ ایک زبان میں اصل ہوگا اور دوسری زبان میں فرع۔''

ابن عطیہؒ نے اس موضوع پر تفصیل سے کلام کیا ہے،جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن مجید میں غیر عربی الفاظ موجود ہیں،لیکن جب عربوں نے ان الفاظ کو استعمال کیا تو وہ عربی بن گئے۔عرب عاربہ،جن کی زبان میں قرآن نازل ہوا ہے، وہ تجارت اور دیگر کاموں کے لیے سفر کرتے تھے اور مختلف لوگوں سے ان کا اختلاط ہوتا تھا۔اس کی وجہ سے دوسری زبانوں کے بعض الفاظ ان کی زبان میں شامل ہوجاتے تھے۔ ان حروف میں ثقل کی وجہ سے وہ ان میں کچھ تبدیلیاں کر لیتے تھے، اس کے بعد ان کو اپنے اشعار اور محاورات میں استعمال کرتے تھے،جس کی وجہ سے وہ الفاظ عربی الفاظ کے قائم مقام بن گئے اور ان پر قرآن نازل ہوا۔حاصل یہ کہ قرآن کریم میں عجمی زبانوں کے الفاظ موجود ہیں ،لیکن جب عربوں نے انہیں اپنی زبان کا حصہ بنالیا اور انہیں استعمال کیا تو اس اعتبار سے وہ عربی الفاظ بن گئے، ورنہ اصل میں وہ عربی الفاظ نہیں تھے۔ ۱۵؎

علامہ جلال الدین سیوطیؒ بھی قرآن کریم میں معرّب الفاظ موجود ہونے کے

قائل ہیں۔ انہوں نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ المهذب فی ما وقع فی القرآن من المعرب کے نام سے لکھا ہے۔ اس میں انہوں نے قرآن کریم میں معرّب الفاظ پائے جانے پر سیر حاصل گفتگو کی ہے اور ان الفاظ کی فہرست بھی درج کی ہے جو ان کے نزدیک غیر عربی ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب 'الاتقان فی علوم القرآن' میں اس موضوع پر ایک مستقل فصل لکھی ہے۔ فرماتے ہیں:

''النوع الثامن والثلاثون فيما وقع فيه بغير لغة العرب۔ قد أفردت فی هذالنوع كتاباً سمّيته 'المهذّب فيما وقع فی القرآن من المعرب۔''۱۶؎

''اڑتیسویں فصل: اس چیز کا بیان کہ قرآن کریم میں کچھ الفاظ غیر عربی کے ہیں۔ اس موضوع پر میں نے ایک مستقل کتاب لکھی ہے، جس کا نام 'المهذب فيما وقع فی القرآن من المعرب' ہے۔''

علامہ سیوطیؒ نے قرآن مجید میں معرب الفاظ کے وجود کے قائلین اور منکرین دونوں کے آراء و دلائل تفصیل سے بیان کیے ہیں، آخر میں منکرین کے دلائل کا رد بھی کیا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

''اختلف الأئمة فی وقوع المعرب فی القرآن :فالأكثرون ومنهم الامام الشافعی و ابن جرير وأبوعبيدةوالقاضی أبو بكر وابن فارس علی عدم وقوعه فيه لقوله تعالی:قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا۔و قوله تعالی :وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا الآية۔و قد شدّد الشافعی النكير علی القائل بذلک۔ وقال أبو عبيدة إنما أنزل القرآن بلسان عربی مبين فمن زعم أنّ فيه غير العربية فقد أعظم القول، و من زعم أنّ 'كذاباً' بالنبطية فقد أكبر القول۔ و ذهب آخرون الی وقوعه فيه، و أجابوا عن قوله تعالی:قُرْاٰناً عَرَبِيًّا۔بأنّ الكلمات اليسيرة بغير العربية لا تخرجه عن كونه عربياً والقصيدة الفارسية لاتخرج عنها بلفظة فيها عربية، و

عن قوله تعالی : أعجمی و عربی۔ بأنّ المعنی من السیاق أ کلام أعجمی و مخاطب عربی۔" ۱۷؎

(قرآن کریم میں معرب الفاظ پائے جانے کے معاملے میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ اکثر ائمہ، جن میں امام شافعی، ابن جریر طبری، ابوعبیدہ اور قاضی ابوبکر ابن فارس شامل ہیں، کی رائے یہ ہے کہ قرآن کریم میں معرب الفاظ نہیں پائے جاتے ہیں۔ وہ دلیل میں اللہ تعالیٰ کے یہ ارشادات پیش کرتے ہیں : (یقیناً ہم نے اس کو قرآن بنا کر عربی زبان میں نازل کیا ہے) اور (اور اگر ہم اسے عجمی زبان کا قرآن بناتے)۔ امام شافعیؒ نے اس شخص پر سخت نکیر کی ہے جو قرآن کریم میں غیر عربی الفاظ پائے جانے کا قائل ہو۔ ابو عبیدہ کا کہنا ہے کہ قرآن کریم واضح عربی زبان میں نازل ہوا ہے اس لیے جس شخص نے یہ خیال کیا کہ قرآن میں غیر عربی الفاظ بھی ہیں اس نے بڑی بات کی اور اگر کوئی شخص یہ گمان کرتا ہے کہ قرآن کریم میں نبطی زبان کے الفاظ موجود ہیں تو اس نے بڑی سخت بات کی۔ بعض حضرات اس طرف گئے ہیں کہ قرآن کریم میں عجمی الفاظ آئے ہیں۔ انہوں نے اللہ تعالی کے اس ارشاد (یقیناً ہم نے اس کو قرآن بنا کر عربی زبان میں نازل کیا ہے) کا یہ جواب دیا ہے کہ قرآن مجید میں چند غیر عربی الفاظ کے آنے سے پورا کلام عربیت سے خارج نہیں ہوجاتا۔ جیسے کسی فارسی قصیدہ میں عربی زبان کا ایک لفظ آ جائے تو اس سے وہ قصیدہ فارسی زبان میں ہونے سے خارج نہیں ہوجاتا اور اللہ تعالیٰ کے اس قول (یہ کیا کہ کتاب عجمی اور آپ عربی رسول ہیں) کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ سیاق کلام سے یہ معنیٰ نکلتا ہے کہ ’یہ کیا کہ کلام عجمی اور مخاطب عربی ہے۔‘)

علامہ سیوطیؒ نے مذکورہ کتاب میں قرآن کریم کے سو (۱۰۰) سے زائد ایسے الفاظ درج کیے ہیں جو ان کے نزدیک معرّبات کے قبیل سے ہیں، یعنی وہ دوسری زبانوں سے منتقل ہو کر عربی زبان کا حصہ بن گئے تھے۔ ۱۸؎

اس موضوع پر قاضی شہاب الدین احمد الخفاجیؒ نے **شفاء العلیل فیما فی کلام العرب من الدخیل** کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ اسی طرح ابو منصور الجوالیقی نے **المعرب من الکلام الاعجمی علیٰ حروف المعجم** کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی ہے۔ ان دونوں کتابوں میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

دونوں آراء کے درمیان تطبیق

ان دونوں آراء کے درمیان تطبیق کے حوالے سے قول فیصل ابو عبیدہ قاسم بن سلام کی یہ رائے ہے۔ جو علامہ احمد بن فارس نے اپنی کتاب 'الصاحبی' میں نقل کی ہے:

"قال أبو عبيد :والصواب من ذلك عندي والله أعلم مذهب فيه تصديق القولين جميعاً۔ وذلك أنّ هذه الحروف وأصولها عجمية كما قال الفقهاء إلّا أنّها سقطت الى العرب فأعربتها بألسنها و حوّلتها عن ألفاظ العجم الى ألفاظها فصارت عربية، ثم نزل القرآن و قد اختلط هذه الحروف بكلام العرب فمن قال انها عربية فهو صادق، و من قال عجمية فهو صادق۔" ۱۹؎

"ابو عبید نے کہا ہے: میرے نزدیک درست بات وہ ہے جس سے دونوں اقوال درست قرار پاتے ہیں۔ وہ یہ کہ ان الفاظ کی اصل عجمی ہے، جیسا کہ فقہاء نے کہا ہے، مگر جب وہ عربوں کی طرف آئے تو انہوں نے اسے عربی بنا دیا اور انہیں عجمی الفاظ سے عربی الفاظ کی طرف پھیر دیا، اس طرح وہ عربی بن گئے۔ پھر جب قرآن کا نزول ہوا تو اس وقت یہ الفاظ کلام عرب میں خلط ملط ہو چکے تھے۔ چنانچہ جس شخص نے انہیں عربی الفاظ قرار دیا ہے اس کی بات بھی درست ہے اور جس نے انہیں عجمی الفاظ قرار دیا ہے اس کی بات بھی درست ہے۔"

ابو عبید کا یہ قول اختیار کیا جائے تو دونوں آراء کے درمیان تطبیق ہو جاتی ہے اور ان کے درمیان پایا جانے والا تعارض ختم ہو جاتا ہے۔

حواشی ومراجع

۱۔ الجوالیقی، ابو منصور موہوب بن احمد بن محمد، المعرب من الکلام الاعجمی علی حروف المعجم، دار القلم: دمشق ۱۹۹۰ء، ص، ۱۳

۲۔ الشافعی، محمد بن ادریس، الرسالۃ، مکتبۃ مصطفی البابی قاہرہ: ۱۹۴۰، ج، ۲، ص، ۴۰

۳۔ سیوطی، جلال الدین عبد الرحمٰن۔ الاکلیل فی استنباط التنزیل۔ دار الکتب: پشاور۔ ص، ۸۸ سنہ طبع درج نہیں۔

۴۔ المعرب من الکلام الاعجمی، دار القلم دمشق: ص ۱۳

۵۔ سیوطی، جلال الدین عبد الرحمٰن، الاتقان فی علوم القرآن، وزارۃ الشیون الاسلامیہ والاوقاف ریاض: ج ۳، ص ۹۳۴۔۹۳۵

۶۔ الشافعی، محمد بن ادریس، الرسالۃ، ج، ۲، ص، ۴۱۔۴۲

۷۔ الشافعی، محمد بن ادریس، احکام القرآن، مکتبۃ الخانجی قاہرہ، ۱۹۹۴ ج، ۱، ص ۲۳

۸۔ حوالہ سابق

۹۔ زرکشی، بدر الدین محمد بن عبد اللہ۔ (س۔ ن)۔ البرہان فی علوم القرآن۔ دار التراث، قاہرہ: ج، ۱، ص، ۲۷۷

۱۰۔ طبری، محمد بن جریر، جامع البیان عن تاویل القرآن، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۹۹۴ء، ج، ۱ ص، ۳۱۔

۱۱۔ سیوطی، جلال الدین عبد الرحمن، الاتقان فی علوم القرآن، ج، ۲، ص، ۱۰۵

۱۲۔ بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، کتاب فضائل القرآن، باب نزل القرآن بلسان قریش والعرب، حدیث نمبر ۴۹۸۴

۱۳۔ ابن عطیہ، قاضی ابو محمد عبد الحق بن غالب اندلسی، المحرر الوجیز فی تفسیر کتاب العزیز، دار الکتاب العلمیۃ بیروت، ۲۰۰۱ ج ۱، ص ۵۱

۱۴۔ حوالہ سابق ۱۵۔ حوالہ سابق

۱۶۔ سیوطی، جلال الدین عبد الرحمٰن۔ الاتقان فی علوم القرآن۔ ج ۲، ص ۱۰۵

۹۱۔ حوالۂ سابق۔ ص ۱۰۶

۱۸۔ حوالۂ سابق۔ ص ۱۰۸۔۱۲۳

۱۹۔ ابن فارس، علامہ ابن الحسین احمد۔ الصاحبی فی فقہ اللغۃ العربیۃ و مسایلھا وسنن العرب فی کلامھا۔ دار الکتاب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۷ ص، ۳۳

شعبِ ابی طالب میں محصوری

(سیرتِ نبوی کا ایک اہم باب)

(۲)

ـــــــــــــــ ڈاکٹر مفتی محمد مشتاق تجاروی

ایام مقاطعہ کے احوال

شعب ابی طالب میں محصوری کے ایام مسلمانوں کے لیے کافی مشکل تھے۔ وہ بنیادی ضروریات سے بھی محروم کیے جا رہے تھے۔ جناب ابو طالب نے اس ظالمانہ مقاطعہ کا خاتمہ کرنے کے لیے ہر اخلاقی قوت استعمال کی۔ لوگوں کو قرابت داری اور صلہ رحمی کا واسطہ دیا۔ جب وہ اس پر بھی باز نہیں آئے تو ان کو بد دعا بھی دی۔ ایک مرتبہ خاص بیت اللہ کے احاطے میں قریش کو مخاطب کر کے کہا: ہم اس گھر کے مالک کے حضور قطع رحمی اور رشتہ داروں سے بدسلوکی کرنے والوں کے خلاف بد دعا کرتے ہیں۔ تم کو اللہ کا واسطہ، تم کو چاہیے کہ اپنے برے ارادوں سے باز آجاؤ، ورنہ ہماری قطع رحمی کے سبب اللہ تم کو عذاب دے گا۔ ۵۵ لیکن مشرکین پر ان باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ عرب میں تجارت وہاں کا بنیادی ذریعۂ معاش تھا۔ اس مقاطعہ کے نتیجے میں اس پر پابندی کی وجہ سے مسلمانوں کے پاس وسائل حیات اور کھانے پینے کی چیزوں کی کمی ہو گئی۔ ابن اسحاق کے الفاظ میں یہ مقاطعہ مسلمانوں کے لیے بلائے عظیم ثابت ہوا اور وہ بری طرح ہلا دیئے گئے۔ ۵۶

مشرکین نے محصوری کے عرصے میں مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کرنے کی پوری کوشش کی۔ خاص طور پر وسائل حیات تک ان کی رسائی مشکل کر دی۔ دلائل

النبوۃ میں لکھا ہے : **و قطعوا علیھم الأسواق فلا یترکون طعاماً یدنو من مکۃ و لا بیعاً الا بادروا الیہ لیقتلھم الجوع** ۔۵۷ (ان پر بازاروں کے راستے بند کر دیے۔ جیسے ہی کوئی غذائی اجناس والا قافلہ یا تجارتی موقع مکہ مکرمہ کے قریب ہوتا یہ لوگ تیزی سے اس پر قبضہ کر لیتے، تا کہ مسلمان بھوک سے مر جائیں۔)

ابن اسحاق نے مشرکین کے اس غیر انسانی رویے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے : حبشہ میں مشرکین کی سفارت ناکام ہوگئی اور نجاشی نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کلمات خیر کہے تو مشرکین اس سے اور زیادہ ناراض ہو گئے۔ انھوں نے مسلمانوں اور رسول اللہ ﷺ کو اور زیادہ شدّت سے ستانا شروع کیا۔ راستوں میں ان کو مارتے۔ بازار کے راستے ان کے لیے دشوار کر دیے۔ انھوں نے شعب ابی طالب کا اس طرح گھیراؤ کیا کہ کسی دوسرے کو بھی وہاں کھانا یا ضرورت کا سامان پہنچانے کا راستہ نہیں چھوڑا۔ بنو ہاشم زیادہ تر اسی شعب میں رہتے تھے۔ صرف ایام حج میں باہر آتے تھے۔ اس وقت اس کا امکان ہوتا تھا کہ کچھ ضروریات کا سامان اور کھانے کی چیزیں خرید لیں گے۔ لیکن قریشی ان سے پہلے بازار پہنچ جاتے اور بازار کا سارا سامان خرید لیتے، یا بازار کی قیمتیں بڑھوا دیتے۔ ساتھ ہی لوگوں کو مجبور بھی کرتے تھے کہ وہ مسلمانوں کو سامان نہ بیچیں۔ ولید بن مغیرہ کی طرف سے یہ صلائے عام تھی کہ جو کوئی مسلمانوں میں سے کسی کو کھانا خریدتے ہوئے دیکھے وہ اس کو مہنگا کر دے (تا کہ یہ لوگ خرید نہ سکیں) ۵۸۔ ابن اسحاق کی ایک اور روایت میں ہے کہ : ابن المغیرہ لوگوں سے یہ بھی کہتا تھا اگر تم میں کسی کے پاس پیسے نہ ہوں تو وہ سامان تم ادھار خرید لو بعد میں اسے میں چکا دوں گا۔ ۵۹

محاصرے کی سختی بڑھتی گئی۔ مسلمانوں اور بنو ہاشم و بنو مطلب کا اندوختہ بھی ختم ہونے لگا۔ یہاں تک کہ درخت کے پتوں اور دوسری چیزوں کے کھانے کی نوبت آ گئی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا ایک چمڑے جیسی چیز کو کھانا سیرت کی مختلف کتابوں میں مذکور ہے۔ بچے بھوک سے روتے تھے، یہاں تک کہ کبھی کبھی پوری رات روتے ہوئے گزر جاتی تھی۔ اہل مکہ بچوں کے رونے کی آوازیں سنتے تھے اور دکھی ہوتے تھے۔ لیکن کچھ شقی القلب ایسے بھی تھے جو بچوں کے رونے کی آواز سے خوش ہوتے تھے۔ اِن شقی القلب لوگوں کی وجہ سے انسانی ہم دردی رکھنے والے لوگ بھی خاموش رہتے تھے۔

اہل شعب کا بعض سردارانِ قریش سے تعلق

شعب کے اندر رہنے والوں میں کئی بڑے معزز لوگ تھے۔ سارا عرب ان کی عزت کرتا تھا، جیسے جناب ابو طالب ،حضرت خدیجہؓ، حضرت عباسؓ اور حضرت حمزہؓ وغیرہ۔ اس مقاطعہ کے باوجود ان حضرات کے دوسرے سردارانِ قریش سے روابط تھے۔ اگرچہ اس کی تفصیل نہیں ملتی لیکن بعض شواہد سے یہ استدلال کیا جاسکتا ہے کہ شعب میں رہتے ہوئے بھی یہ حضرات باہر کے حالات پر اثرانداز ہوتے تھے۔ مثلاً انساب الاشراف اور بعض دوسری کتابوں میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عباسؓ کھانے کی چیزیں خریدنے کے لیے شعب کے باہر نکلے تو ابوجہل نے ان کا راستہ روکنے کی کوشش کی، لیکن اللہ نے ایسی مدد کی کہ ابوجہل کام یاب نہ ہوسکا۔ اس واقعہ کی خبر جب حضرت خدیجہؓ کو ملی تو انھوں نے زمعہ بن الاسود کے پاس پیغام بھیجا کہ ابوجہل ہم کو سامان خریدنے سے روک رہا ہے، تم اس کو جا کر ڈانٹ سناؤ اور اس کو اس حرکت سے روک دو۔ ۶۰؎

محصورین کی امداد

شعب کے اندر جو لوگ محصور تھے ان میں سے اکثر کے رشتہ دار باہر بھی تھے۔ باہر کے لوگوں میں اگرچہ کچھ ایسے شقی القلب بھی تھے جن کو اہل شعب کی پریشانی سے خوشی ہوتی تھی، لیکن ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی تھی جو اس پورے معاملے سے دکھی تھے۔ خاص طور پر بھوکے بچوں کی دل دوز آوازیں ان کے جذبۂ رحم کے نازک تاروں کو چھیڑ دیتی تھی۔ یہ لوگ حیلے بہانوں سے یا چوری چھپے اہل شعب کی امداد و اعانت کرتے رہتے تھے۔ وہ لوگ بھی چوری چھپے کچھ غلّہ شعب کے محصورین کے لیے بھیج دیا کرتے تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ اونٹ پر غلّہ لاد کر اِدھر سے گزرتے اور جب شعب کے قریب سے گزرنا ہوتا تو اونٹ کی نکیل نکال کر اس کو شعب ابی طالب کی طرف ہانک دیتے تھے۔ ابن اسحاق نے ایک واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے :

بنو ہاشم اور بنو مطلب کے خلاف قریش نے جو معاہدہ کر رکھا تھا اس کو

توڑنے لیے کچھ قریش کے سردار کھڑے ہوئے۔ان میں سب سے زیادہ خدمات ہشام بن عمرو کی ہیں۔جس کی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ نضلہ بن ہاشم بن عبد مناف کے بھائی عمرو بن ربیعہ کا بیٹا تھا۔یعنی عمرو اور نضلہ ماں شریک بھائی تھے۔ ہشام بنو ھاشم کے ساتھ حسن سلوک بھی کرتے تھے۔وہ اپنی قوم میں بہت معزز مانے جاتے تھے۔بنو ہاشم اور بنو مطلب کے پاس رات کے وقت اونٹ پر خوراک لاد کر لاتے۔ جب گھاٹی کے دہانے پر پہنچتے تو اونٹ کی مہار کھول دیتے اور اس کے پہلو پر ضرب رسید کرتے۔ اونٹ گھاٹی میں داخل ہو کر بنو ہاشم کے پاس پہنچ جاتا۔ پھر اسی طرح وہ کپڑے اور اناج وغیرہ اونٹ پر لاد کر لاتے اور اسے گھاٹی میں پہنچا دیتے تھے۔۶۱؎

ابن اسحاق نے بھی حکیم بن حزام کا ایسا ہی ایک اور واقعہ لکھا ہے:

''قریش کے جو لوگ بنو ہاشم کے ساتھ صلہ رحمی کرنا چاہتے تھے وہ ان کے پاس کوئی چیز علانیہ نہیں بھجوا سکتے تھے، وہ پوشیدہ طریقے سے ہی بھیجنے کی کوشش کرتے تھے۔ ایک دن حکیم بن حزام اپنی پھوپھی حضرت خدیجۃ بنت خویلد (جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شعب میں محصور تھیں) کے لیے ایک ملازم کے ساتھ کھانا اٹھائے جا رہے تھے اس دوران میں ان کو ابو جہل نے دیکھ لیا۔وہ پکار اٹھا :''تم یہ کھانا بنی ہاشم کے لیے لے جا رہے ہو؟ اللہ کی قسم، تم آگے نہیں جا سکتے جب تک کہ میں تمھیں قریش کے درمیان رسوا نہ کر دوں۔ ابو البختری بن ہاشم نے ابو جہل سے کہا :''یہ حکیم کی پھوپھی کا کھانا ہے، جو اس کے پاس تھا۔ اب وہ اسے پھوپھی کے پاس بھیجنا چاہتا ہے، کیا تم اسے ایسا کرنے سے باز رکھنا چاہتے ہو؟'' لیکن ابو جہل نے اسے چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ تب ابو البختری نے اونٹ کی پنڈلی کی ہڈی اس کے سر پر دے ماری اور اسے زخمی کر دیا اور پاؤں سے کچل کر اس کی خوب مرمت کی۔حمزہ بن عبد المطلب قریب ہی یہ سب ماجرا دیکھ رہے تھے

۔کفار یہ نہ چاہتے تھے کہ اس واقعہ کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو پہنچے، ایسا نہ ہو کہ وہ کفار کی باہمی آویزش سے خوش ہوں۔اس لیے ابو جہل خاموشی کے ساتھ وہاں سے چلا گیا۔ ۶۲؎

ایام مقاطعہ کی سرگرمیاں

سیرت نگاروں نے ایامِ مقاطعہ کی تفصیلات کم لکھیں ہیں۔بعض جگہ صرف اشارے ہیں اور وہ بھی بہت واضح نہیں ہیں۔تاہم انہی مختصر اشاروں اور ضمنی معلومات کو یکجا کر کے اس دور کی تاریخ مرتب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

الف۔دعوتی کام:

رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا سب سے اہم کام دعوت الی اللہ ہے۔آپؐ ساری زندگی اس کام میں مصروف رہے۔ایامِ مقاطعہ کے دوران بھی دعوتی سرگرمیاں جاری رہیں۔تاریخ طبری میں اس دور کی دعوتی سرگرمیوں کے بارے میں یہ بیان کیا گیا ہے:اس دوران میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کو دن رات اور خفیہ و علانیہ دعوت دیتے رہے،اللہ تعالی کی طرف سے امر و نہی کے احکام بھی نازل ہوتے رہے اور دشمنوں کے لیے وعید اور مخالفین کے اعتراضات کے جوابات بھی نازل ہوتے رہے۔ ۶۳؎

کتب سیرت میں ایسی روایات بھی ہیں جن میں ایامِ مقاطعہ کے دوران میں مشرکین کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے مباحثے اور نقد و جرح کا ذکر ہے اور اس حوالے سے قرآن پاک کی آیات اور سورتوں کے نزول کا بھی ذکر ہے۔تاہم اس پورے دورانیے کی تفصیلات زیادہ نہیں ملتیں۔

ب۔نزول قرآن

شعب ابی طالب کے اندر پناہ گزینی کے دوران میں نزول وحی کا سلسلہ برابر جاری رہا۔مشرکین کے اعتراضات کے جوابات دیے جاتے رہے اور ان کی ایذا

رسانیوں پر رسول اللہ کی تسلّی کے لیے بھی قرآن مجید کی آیات نازل ہوئیں۔ ابن ہشام نے اپنی السیرۃ النبویۃ میں ایک مستقل باب قائم کیا ہے جس میں بتایا ہے کہ شعب ابی طالب میں پناہ گزینی کے دوران میں قرآن مجید کے کون کون سے حصے نازل ہوئے۔ اس باب میں بطور تمہید لکھا ہے:

> ''جب رسول اللہ ﷺ کے چچا اور بنو ہاشم و بنومطلب آپؐ کی حفاظت کے لیے کھڑے ہو گئے اور ان مشرکین کے بُرے ارادوں کو انھوں نے ناکام بنا دیا تو انھوں نے آپؐ پر طعن وتشنیع شروع کی اور آپ کا مذاق اڑانا اور آپ سے جھگڑا کرنا شروع کر دیا۔ ان جھگڑا کرنے والوں سے متعلق قرآن کریم کی آیات بھی نازل ہوئیں۔ ۶۴

ابن ہشام نے اس ضمن میں مختلف واقعات بیان کیے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ ابولہب، سورۃ ہمزہ، سورۂ مریم، سورۃ الانعام، سورۃ الفرقان، سورۃ القلم، سورۃ الجاثیہ، سورۃ الانبیاء، سورۃ الزخرف، سورۃ الفرقان، سورۃ یٰسین، سورۃ الکافرون، سورۃ الدخان، سورۂ عبس، مکمل یا ان کی بعض آیات اسی زمانے میں نازل ہوئیں۔

سیرت نگاروں نے شعب کے تین سال کے حالات بہت اختصار کے ساتھ بیان کیے ہیں۔ ان کے یہاں اس پورے معاملے میں بالعموم مقاطعہ کی دستاویز کے لکھے جانے اور اس کے ختم ہونے کا ذکر ملتا ہے اور چند جملے اس زمانے کی مشکلات کے بارے میں مل جاتے ہیں۔ تین سال کے اس صبر آزما اور فیصلہ کن مرحلے کی دیگر باتیں نہیں ملتیں۔ دعوتی سرگرمیوں اور اس دوران میں نزول قرآن کی تفصیلات کا بھی کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ تین سال کے طویل عرصے میں قرآن مجید کی چند آیات ہی نازل ہوئی ہوں، یہ مان لینا مشکل ہے۔ سیرت نگاروں نے ابن ہشام کے اتباع میں نمونے کی کچھ باتیں ہی ذکر کی ہیں۔ ابن ہشام کا مقصد نزول قرآن کی تاریخ لکھنا تھا بھی نہیں، اس لیے انھوں نے صرف اتنا ہی ذکر کیا جتنا ان کے موضوع سے متعلق تھا۔ تاہم یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ محصوری کے تین سالہ دور میں قرآن مجید کا ایک بڑا حصہ نازل

ہوا تھا۔ چنانچہ دیگر مراجع مثلاً بخاری، ترمذی اور بیہقی کی دلائل النبوہ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ الاسراء، سورۃ الروم، سورۃ الذاریات اور سورۂ قمر وغیرہ میں سے کچھ سورتیں مکمل یا ان کے کچھ حصے اسی زمانے میں نازل ہوئے تھے۔

ج۔ ہجرتِ حبشہ ثانیہ:

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ حبشہ کی پہلی ہجرت مقاطعہ کے معاہدے سے قبل ہوئی تھی۔ لیکن دوسری ہجرت اس مقاطعے کے بعد ہوئی تھی۔ حبشہ کی دوسری ہجرت کے بارے میں مغازی کے اولین راوی موسیٰ بن عقبہ کی روایت ہے کہ محاصرۂ شعب کی وجہ سے مشرکین ان مسلمانوں کو زیادہ ستانے لگے جو ان کی دست رس میں تھے، یا شعب کے باہر تھے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے مسلمانوں نے دوسری مرتبہ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ اس مرتبہ آپؐ نے اپنے چچا زاد بھائی حضرت جعفرؓ کو حبشہ روانہ کیا اور ان کے ساتھ مسلمانوں کا ایک قافلہ بھی روانہ فرمایا۔

مشرکین کے لیے مسلمانوں کی یہ ہجرت اتنی تکلیف دہ تھی کہ ایک مرتبہ حبشہ سے نامراد واپس آنے کے باوجود انھوں نے پھر ایک وفد حبشہ بھیجا، تاکہ ان مسلمانوں کو واپس لایا جا سکے۔ اس دفعہ بڑی تیاریاں کی گئیں تھیں، تحفے تحائف کے نام پر بھاری رشوت جمع کی گئی۔ حبشہ میں پہنچ کر بھی بڑی زبردست سازش رچی، لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات پیدا کر دیے کہ وہ وہاں سے دوبارہ ناکام ہو کر لوٹے۔

مسلمانوں کے معاشی اور سماجی مقاطعہ کے نتیجے میں مکہ کے حالات بہت خراب ہو گئے تھے۔ بااثر مسلمانوں کا بھی وہاں رہنا مشکل ہو گیا تھا۔ چناں چہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ حافظ مغلطائی نے صراحت کی ہے کہ حضرت ابوبکر بھی ہجرت کر کے حبشہ جا رہے تھے ۶۵۔ الدرر میں بھی اس کی صراحت ہے۔ ۶۶۔

صحیح بخاری میں ایک تفصیلی روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں

جب حالات خراب ہونے لگے تو حضرت ابوبکرؓ نے بھی ہجرت کر کے حبشہ جانے کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن راستے میں قبیلہ قارہ کے سردار مالک بن الدغنہ ملے، جو انہیں واپس لے آئے تھے اور انہیں اپنی امان میں لینے کا اعلان کر دیا تھا۔ ۶۷؎

حضرت ابوبکرؓ تو راستے واپس آ گئے تھے، لیکن بہت سے مسلمان حبشہ چلے گئے اور وہاں امن و عافیت کے ساتھ اپنے دین پر عمل کرنے لگے تھے۔

ان مہاجرین کی وجہ سے ایک طرف مشرکین کی بدنامی ہو رہی تھی اور ان کی ساکھ خراب ہو رہی تھی، دوسری طرف ان کی تجارت پر بھی اس کے منفی اثرات مرتب ہو رہے تھے۔ مشرکین مکہ کے لیے یہ ایک بڑی ناکامی تھی اور انھوں نے اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش بھی کی، لیکن مشرکین کے لیے حالات مزید خراب ہوتے گئے اور حبشہ مسلمانوں کی ایک محفوظ پناہ گاہ بن گیا۔

د۔ وفد حبشہ

ابن ہشام اور بعض دوسرے سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حبشہ سے بیس آدمیوں کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ ان لوگوں کو نجاشی نے دریافتِ احوال کے لیے بھیجا تھا۔ اس وفد نے بیت اللہ کے اندر آپؐ سے ملاقات کی۔

ابن ہشام نے اس کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: ''اس کے بعد حبشہ کے نصرانیوں میں سے جنھیں آپؐ کی خبر معلوم ہوئی تھی تقریباً بیس (۲۰) آدمی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ قریش کے لوگ بھی اپنی اپنی مجلسوں سے یہ نظارہ دیکھ رہے تھے۔ وفد کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ سوالات کیے اور کچھ دیر کے بعد سب مسلمان ہو گئے۔ جب وہ لوگ وہاں چلے تو ابو جہل نے ان کا پیچھا کیا اور ان پر لعنت ملامت کی کہ تم لوگ بہت برے ہو۔ تم کو تمہاری قوم نے تحقیقِ حال کے لیے بھیجا تھا، لیکن تم تو اپنا مذہب ہی چھوڑ بیٹھے۔'' ۶۸؎

عیسائیوں کے اس وفد کے بارے میں بعض سیرت نگاروں نے لفظ 'قسیل' کے ساتھ یہ

لکھا ہے کہ یہ وفد نجران کے عیسائیوں کا تھا۔علامہ زین الدین العراقی نے تو اپنے الفیہ میں حبشہ کا ذکر ہی نہیں کیا،اس پورے قصے کو نجران سے جوڑ دیا ہے۔۶۹؎ لیکن مستند روایات اسی کے حق میں ہیں کہ یہ وفد حبشہ کا ہی تھا۔نجران کے وفد کا قصہ مدنی دور میں پیش آیا تھا۔

ہ۔حبشہ سے سفارتی تعلقات

جب حبشہ میں اسلام کا چرچا شروع ہوا تو تحقیقِ احوال کے لیے حبشہ کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت حاضر ہوا،جس کا اوپر ذکر ہوا۔اس وفد کے ارکان بیس (۲۰) اور ایک روایت کے مطابق چالیس (۴۰) تھے۔ وہ سب مسلمان ہو گئے۔انھوں نے واپس جا کر نجاشی کو اسلام کے بارے بتایا تو نجاشی بھی مسلمان ہو گئے۔نجاشی کے اسلام پر تمام مراجع متفق ہیں۔اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے روابط نجاشی کے ساتھ براہ راست استوار ہو گئے تھے اور باہم خط کتابت کا سلسلہ بھی جاری ہو گیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے حصار شعب کے آغاز کے دو مہینے بعد سات (۷) سال نبوی، ماہ ربیع الاول میں نجاشی کو ایک خط لکھا، جسے عمرو بن امیہ الضمری لے کر گئے تھے۔اس خط میں حضرت جعفرؓ اور ان کے ساتھ جانے والے مسلمانوں کے ساتھ اچھے سلوک کی بات کہی گئی تھی اور اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔۷۰؎

حافظ ابن کثیرؒ نے رسول اللہ ﷺ کا خط اور نجاشی کی طرف سے اس کا جواب دونوں کو نقل کیا ہے۔۷۱؎

نجاشی کے اس خط میں من جملہ اور باتوں کے اس کی بھی صراحت ہے کہ اس نے اپنے بیٹے کو بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا۔گویا اب مکہ مکرمہ میں کم از کم ایک بادشاہ کی نظر میں اصل اہمیت ووقعت رسول اللہ ﷺ کی تھی،مشرکین کی نہیں تھی۔ایام مقاطعہ کی یہ ایک بڑی کامیابی تھی۔

و۔قریش کے لیے بددعا:

رسول اللہ ﷺ نے قریش کی ایذا رسانیوں اور استہزا اور تمسخر سے تنگ آ کر

ایک مرتبہ ان کو بددعا دی تھی۔ اس بات کا ذکر حدیث کی بیش تر کتابوں میں موجود ہے۔ اس بددعا کے نتیجے میں مکہ کے اندر سخت قحط پڑ گیا تھا۔ سورۂ الدخان میں جس قحط کا تذکرہ ہے، محدثین کی نظر میں یہ وہی قحط ہے۔ اس قحط کا تذکرہ ابن ہشام نے نہیں کیا ہے، لیکن صحیح بخاری میں اس کا ذکر کئی جگہ موجود ہے۔ بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اور ابن کثیر نے اپنی سیرت میں بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔ امام بخاری نے اس واقعہ سے متعلق حدیث کا ذکر مختلف ابواب کے تحت کم از کم بارہ (۱۲) مرتبہ کیا ہے۔ ایک جگہ ہے:

> ''مسروق نے بیان کیا ہے کہ ہم عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؓ نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے جب کفار قریش کی سرکشی دیکھی تو آپؐ نے ان کے لیے بددعا کی :اللھم سبع کسبع یوسف (کہ اے اللہ! ان پر سات برس کا قحط بھیج دے جیسے یوسفؑ کے وقت میں بھیجا تھا۔) چنانچہ ایسا قحط پڑا کہ ہر چیز تباہ ہو گئی اور لوگوں نے چمڑے اور مردار تک کھا لیے۔ بھوک کی شدت کا یہ عالم تھا کہ آسمان کی طرف نظر اٹھائی جاتی تو دھویں کی طرح معلوم ہوتا تھا۔ آخر مجبور ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ابوسفیان حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ لوگوں کو اللہ کی اطاعت اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔ اب تو آپ ہی کی قوم برباد ہو رہی ہے، اس لیے آپ سے درخواست ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے ان کے حق میں دعا کیجیے۔ ۷۲

بخاری ہی کی بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا کے بعد بارش ہو گئی اور قحط کا زمانہ ختم ہو گیا۔ لیکن وہ لوگ بدستور اپنے کفر پر قائم رہے۔ امام بیہقیؒ اور ابن کثیرؒ دونوں نے اس واقعہ کو شعب ابی طالب کے بعد ذکر کیا ہے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ واقعہ شعب ابی طالب کے دوران کا ہے۔ اس لیے کہ امام بخاری نے اس واقعہ کو سورۂ روم کے ساتھ بھی بیان کیا ہے بلکہ سورۂ الروم کی تفسیر میں بھی یہ واقعہ لکھا ہے۔ ۷۳ سورۂ روم کے بارے معلوم ہے کہ وہ محصوری شعب کے زمانے میں نازل ہوئی تھی، اس لیے یقینی بات ہے کہ یہ قحط بھی اسی دوران میں پڑا ہوگا۔

سورۃ الدخان کے شعب ابی طالب کے دوران میں نازل ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ابن ہشام نے حضرت ابو طالب کے قصیدہ لامیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ قصیدہ انھوں نے شعب ابی طالب میں لکھا تھا۔اس قصیدے کا ایک شعر :

و أبيضَ يستسقى الغمامُ بوجهه

ثمال اليتامىٰ عصمة للارامل

امام بخاری نے ایک مستقل باب قائم کر کے اس شعر کو نقل کیا ہے۔حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت سے۔ ۷۴؎ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس روایت کے ضمن میں بھی اس پر کلام کیا ہے اور حدیث نمبر ۱۰۲۰ کے ضمن میں بھی اس شعر پر گفتگو کی ہے۔ اگرچہ امام بخاری کے اس شعر کو نقل کر دینے کے بعد اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ یہ شعر حضرت ابو طالب کا ہے، تاہم ابن حجر نے سہیلی کا ایک اعتراض نقل کیا ہے کہ جب ابو طالب نے رسول اللہ ﷺ کی دعا پر بارش ہوتے دیکھی ہی نہیں تو وہ ایسا شعر کیسے کہہ سکتے ہیں۔لیکن ابن حجر نے یہ تصویب بھی کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بارش کی دعا کے لیے کئی مرتبہ درخواست کی گئی تھی، اس لیے روایتیں آپس میں مل گئیں۔ ابوسفیان نے یہ درخواست ہجرت سے قبل کی تھی اور اس وقت ابو طالب حیات تھے۔ اس لیے انھوں نے یہ شعر کہا۔ابن حجر نے دو تاویلیں اور بھی ذکر کی ہیں۔لیکن یہاں ان کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ ۷۵؎

ابن حجر کی تائید اور ابن ہشام کے اندراج کہ ابو طالب نے یہ قصیدہ شعب ابی طالب میں کہا تھا اس بات کی مزید پختہ دلیل ہے کہ سورہ دخان میں جس قحط کی طرف اشارہ ہے وہ شعب کے دور کا ہی واقعہ ہے۔اس وقت رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی تو بارش ہوگئی۔اس پر حضرت ابوطالب نے یہ قصیدہ لکھا۔

محمد بن الیاس الفالوذہ نے '**الموسوعة فی صحیح السیرة النبویۃ (العهد المکی)** میں بھی قحط کے اس واقعہ کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ انھوں نے حاشیہ میں لکھا

ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے پانچ سال قبل پیش آیا تھا۔۷۶؎ یعنی یہ کہہ سکتے ہیں جس سال شعب ابی طالب کا آغاز ہوا تھا اس کے ایک سال بعد یہ قحط کا معاملہ بھی پیش آیا تھا۔ حالاں کہ محمد بن اسمٰعیل نے کوئی حوالہ نہیں دیا لیکن قرائن اس تاریخ کے درست ہونے کے حق میں ہیں۔

جب مکہ مکرمہ میں یہ قحط پڑا تھا تو رسول اللہ سے دعا کی درخواست کرنے کے لیے ابوسفیان آئے تھے۔ بخاری اور دیگر کتبِ حدیث کی اکثر روایتوں میں صراحت کے ساتھ انھی کا نام ہے لیکن ایک روایت ۷۷؎ میں ابوسفیان کا نام صراحت کے ساتھ نہیں ہے۔ البتہ ابن حجر نے فتح الباری میں صراحت کر دی ہے کہ 'اگرچہ یہاں نام مذکور نہیں ہے لیکن مراد ابوسفیان ہی ہیں'۔ اس روایت میں ہے کہ ابوسفیان نے اس قحط کے حوالے سے صرف قبیلہ مضر کے لیے دعا کی درخواست کی تھی۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے تعجب سے کہا کہ تم مضر کے لیے دعا کروانے آئے ہو؟ تمہاری ہمت قابل داد ہے۔ (یہ بات آپ نے اس لیے فرمائی کہ اس وقت قبیلۂ مضر نے ہی مسلمانوں کا مقاطعہ کر رکھا تھا اور وہی لوگ دعا کے لیے آ گئے۔) ابن حجر نے قریش کے بجائے مضر خاندان کے لیے دعا کروانے کی ایک وجہ یہ لکھی ہے کہ ابوسفیان خود مضر خاندان کے سردار تھے۔ اس لیے انھوں نے اپنے خاندان کے لیے درخواست کی۔ دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ کے مجموعی طور پر قریش کے ساتھ سخت اختلافات تھے اس لیے پورے قریش قبیلے کا ذکر نہ کر کے صرف ایک خاندان کا ذکر کیا۔ کیوں کہ جب بارش ہوگی تو وہ سب کے لیے ہوگی۔ ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ رسول اللہؐ خود مضر خاندان سے تھے۔ چوں کہ قحط آپ کی بد دعا سے آیا تھا اس لیے ابوسفیان نے براہ راست قریش کے لیے دعا مانگنے کی درخواست نہ کر کے ایک ایسے خاندان کے لیے دعا کی درخواست کی جس سے رسول اللہؐ خود وابستہ تھے۔۷۸؎ بخاری کی ایک روایت میں یہ بھی ذکر ملتا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے نام لے قبیلہ مضر کے لیے بد دعا کی تھی۔ ۷۹؎ لیکن جب آپؐ کے دربار میں ابوسفیان نے دعا کی درخواست کی تو جذبۂ رحم حرف دعا بن کے زبان مبارک

پہ جاری ہو گیا۔ادھر ارحم الراحمین کا دریائے رحمت جوش میں آیا اور باران رحمت بادلوں کی اوٹ سے نکل مکہ مکرمہ کی وادیوں میں بکھر گئی۔آنکھوں کی دھند جو آسمان پر دھوئیں (دخان) کی طرح چھا گئی تھی، چھٹ گئی لیکن جن کے دلوں پر کفر و گمراہی تالے پڑے تھے وہ اس روشن دلیل کو دیکھنے کے بعد بھی اپنی پرانی روش پر گامزن رہے۔ان کے دلوں پر ظلمت و تاریکی کے بادل اسی طرح چھائے رہے جیسے پہلے چھائے ہوئے تھے۔

ز۔غلبۂ روم کی بشارت

سورۂ روم میں ایک تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔جس زمانے میں یہ سورت نازل ہوئی، اس زمانے میں روم اور ایران کی جنگ چل رہی تھی۔اس جنگ میں اس وقت ایرانی جیت رہے تھے اور رومی ہار گئے تھے۔چوں کہ اسی دوران میں حبشہ میں مسلمانوں کو پناہ مل گئی تھی اور مسلمان بھی حضرت عیسیٰ کو نبی مانتے تھے اور عیسائیت بھی اسی طرح ایک آسمانی مذہب ہے جس طرح اسلام ہے، اس لیے مشرکین نے اپنی طرف سے مسلمان کو عیسائیوں کے ساتھ وابستہ کر دیا اور خود مجوسیوں کے ساتھ وابستہ ہو گئے۔جب ایران کے مجوسیوں نے روم کے عیسائیوں کو ہرا دیا تو وہ خوش ہونے لگے اور کہنے کہ اب ایران کے مجوسی روم کے عیسائیوں کو ختم کر دیں گے اور ساتھ ہی مسلمان بھی ختم ہو جائیں گے۔

ترمذی کی روایت ہے:

''نیار بن مکرم اسلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ` جب آیت الم۔غُلِبَتِ الرُّومُ۔فِيْ أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُم مِّن بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ۔فِيْ بِضْعِ سِنِيْنِ نازل ہوئی، اس وقت اہل فارس روم پر غالب و قابض تھے اور مسلمان چاہتے تھے کہ رومی ان پر غالب آجائیں، کیونکہ رومی اور مسلمان دونوں ہی اہل کتاب تھے، اور اسی سلسلے میں یہ آیت: وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ۔بِنَصْرِ اللَّهِ يَنصُرُ مَن يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ۔(الروم: ۴—۵) ''اس دن مومن اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے، وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے، وہ زبردست ہے مہربان بھی ہے''، بھی اتری ہے، قریش چاہتے تھے کہ اہل فارس غالب ہوں کیونکہ

وہ اور اہل فارس دونوں ہی نہ تو اہل کتاب تھے اور نہ دونوں ہی قیامت پر ایمان رکھتے تھے، جب اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مکہ کے اطراف میں اعلان کرنے نکل کھڑے ہوئے، انھوں نے چیخ چیخ کر اعلان کیا :الم۔غُلِبَتِ الرُّومُ۔ فِيٓ أَدۡنَى ٱلۡأَرۡضِ وَهُم مِّنۢ بَعۡدِ غَلَبِهِمۡ سَيَغۡلِبُونَ۔فِي بِضۡعِ سِنِينَ ''رومی مغلوب ہو گئے زمین میں، وہ مغلوب ہو جانے کے بعد چند سالوں میں پھر غالب آ جائیں گے'' تو قریش کے کچھ لوگوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: آؤ ہمارے اور تمہارے درمیان اس بات پر شرط ہو جائے، تمہارے ساتھی (نبی) کا خیال ہے کہ رومی فارسیوں پر چند سالوں کے اندر اندر غالب آجائیں گے۔ آپ اور ہم اس بات پر شرط لگالیں، انھوں نے کہا: کیوں نہیں؟ ہم تیار ہیں، ابوبکر صدیقؓ اور مشرکین دونوں نے شرط لگا لی، اور شرط کا مال کہیں رکھوا دیا، مشرکین نے ابوبکرؓ سے کہا: تم بضع کو تین سے نو سال کے اندر کتنے سال پر متعین ومشروط کرتے ہو؟ ہمارے اور اپنے درمیان بیچ کی ایک مدت متعین کرلو، جس پر فیصلہ ہو جائے، راوی کہتے ہیں: انہوں نے چھ سال کی مدت متعین اور مقرر کر دی۔ راوی کہتے ہیں کہ روم کے مشرکین پر غالب آنے سے پہلے چھ سال گزر گئے تو مشرکین نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بطور شرط جمع کرائے ہوئے مال کو لے لیا، مگر جب ساتواں سال شروع ہوا اور رومی فارسیوں پر غالب آ گئے، تو مسلمانوں نے ابوبکرؓ پر نکتہ چینی کی کہ یہ ان کی غلطی تھی کہ چھ سال کی مدت متعین کی جب کہ اللہ تعالیٰ نے **بضع سنین** کہا تھا، (اور بضع تین سال سے نو سال تک کے لیے مستعمل ہوتا ہے)۔ راوی کہتے ہیں: اس پیشین گوئی کے برحق ثابت ہونے پر بہت سارے لوگ ایمان لے آئے۔''[۸۰]

سیرت وحدیث کی دوسری کتابوں بھی اس واقعہ کا ذکر ہے مثلاً امام بیہقی نے اس شرط کے حوالے سے لکھا ہے کہ شرط میں یہ طے ہوا تھا کہ اگر پانچ سال میں عیسائی جیت گئے تو حضرت ابوبکر کی جیت مانی جائے گی اور اگر ایسا نہ ہوا تو ان کی ہار مانی جائے گی۔ حضرت ابوبکر نے شرط طے کرنے کے بعد یہ بات رسول اللہ کو بتائی۔ آپ نے

فرمایا کہ لفظ بضع کا اطلاق دس سے کم پر ہوتا ہے۔اس لیے تم شرط میں رقم بھی بڑھا دو اور مدت بھی بڑھادو۔ چناں چہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔

بہر حال آٹھ یا نو سال کے بعد مجوسی ہار گئے،اسی سال جنگ بدر بھی ہوئی تھی، مسلمان اس جنگ میں بھی کام یاب ہوئے تھے۔ اس طرح مسلمانوں کو دوہری خوشی حاصل ہوئی تھی۔ جنگ بدر ۲ ر ہجری میں ہوئی تھی،اس میں سے سات یا آٹھ یا نو سال کم کردیں تو وہی شعب ابی طالب کا زمانہ متعین ہوجاتا ہے۔ یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ سورۂ الروم کا نزول شعب ابی طالب کے دوران میں ہوا تھا۔۸۱؎

ح۔حضرت ابوسلمہؓ اور حضرت عثمان بن مظعونؓ کی جوار

حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسدؓ ہجرت کرکے حبشہ چلے گئے تھے۔جب وہاں مسلمانوں نے اہل مکہ کے مسلمان ہونے کی افواہ سنی تو ان میں سے بہت سے لوگوں کے ساتھ ابوسلمہ بھی واپس آ گئے۔ ابن ہشام نے ان کے واقعہ کو جس طرح بیان کیا ہے اس سے متبادر ہوتا ہے کہ مکہ واپس آنے کے بعد ان کو ان کے خاندان کے لوگوں نے قید کرلیا تھا۔ بعد میں کسی طرح وہاں سے نکل کر وہ ابوطالب کے پاس پہنچے،جنھوں نے ان کو پناہ دے دی۔ابوسلمہ جناب ابو طالب کے سگے بھانجے تھے۔یعنی ان کی والدہ حضرت عاتکہ بنت عبدالمطلب تھیں۔ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ:

جب ابوسلمہؓ نے ابوطالب کے پاس پناہ لی تو قبیلہ بنومخزوم کے کچھ لوگوں نے اس پر اعتراض کیا۔ ابوطالب نے جواب دیا: ابوسلمہ میرا بھانجا ہے،اس نے مجھ سے مدد طلب کی ہے۔ اگر میں اپنے بھانجے کی حفاظت نہیں کروں گا تو اپنے بھتیجے (محمد ﷺ) کی بھی نہیں کرسکتا۔

ابن ہشام (اور ابن کثیر نے بھی) اس واقعہ کو نقضِ صحیفہ کے واقعے سے پہلے بیان کیا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس واقعہ کو محصوریٔ شعب ابی طالب کے دوران کا ہی مانتے ہیں۔ابوطالب کے اشعار سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ شعب ابوطالب کے دوران پیش آیا تھا اور ابوسلمہ اپنے خاندان سے چھوٹ کر اسی شعب میں پناہ گزیں ہوئے تھے۔

ابن ہشام نے حضرت عثمان بن مظعونؓ کی جوار کا ذکر بھی نقض صحیفہ سے پہلے کیا ہے۔اس لیے یہ بات یقینی ہے کہ یہ واقعہ بھی شعب ابی طالب کے ایام کا ہے۔حضرت عثمان بن مظعونؓ حبشہ سے واپس آنے کے بعد ولید بن مغیرہ کی پناہ میں مکہ میں داخل ہوئے۔ ولید کی وجہ سے انہیں کوئی کچھ نہ کہتا تھا۔لیکن کچھ دن کے بعد وہ دکھی رہنے لگے۔ ان کو لگتا تھا کہ ان کے مسلمان بھائی بلاؤں اور مصیبتوں میں گرفتار ہیں اور وہ ایک مشرک کی پناہ میں آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔اس لیے انہوں نے ولید کی جوار واپس کر دی۔

ط۔مشرکین میں مسلمانوں کے حامی پیدا ہو گئے:

شعب کے اس تین سالہ مقاطعہ میں بہت سے لوگ انسانی بنیادوں پر مسلمانوں کے حامی ہو گئے۔ قریش کے کئی بڑے سرداروں نے مسلمانوں کی حمایت کی جس کی وجہ سے مسلمان اس محصوری سے باہر نکل سکے۔ان کی کوششوں سے ہی اس معاہدہ کا خاتمہ ہوا۔شعب میں مسلمانوں کی محصوری کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ دشمن کی صفوں میں ان کے حمایتی پیدا ہو گئے۔تعصب اور تنگ نظری کی فضا، جو راہ حق کے قبول کرنے میں ایک بڑی رکاوٹ تھی، اس دوران اس میں بھی کمی آئی۔لوگوں نے تعصب کا چشمہ اتار کر اسلام کو دیکھنا شروع کیا اور وقت کے ساتھ مکہ کے ان سرداروں میں سے بعض سردار مسلمان ہو گئے۔

ی۔مسلمانوں کی قوت کا اعتراف:

شعب ابی طالب میں مسلمان تین سال رہے۔ اس مدت میں انہوں نے بڑی اذیت برداشت کی۔گلی کوچوں میں ان کو مارا جاتا،ان کے لیے کھانے پینے کا سامان حاصل کرنا مشکل کر دیا گیا تھا۔انھوں نے بھوک، پیاس اور ہر طرح کی اذیت برداشت کی۔حتی کہ گھر سے بے گھر ہوئے اور ہجرت بھی کی۔ ایسی اذیت صرف حق کے لیے برداشت کی جاسکتی ہے، دنیاوی مفادات کے لیے نہیں۔مسلمانوں کی اس اولوالعزمی نے ان کو رہتی دنیا تک کے لیے مثال بنا دیا۔وہ ثابت قدم رہے،

چنانچہ اس دنیا میں بھی کام یاب رہے اور ان شاء اللہ آخرت کی کام رانی بھی ان کے حصے میں آئے گی، جب کہ مشرکین خائب و خاسر رہے۔ ان کے سرداروں کی اکثریت کا حشر تو یہ ہوا کہ اگلے پانچ سال میں انہی مسلمانوں کے ہاتھوں ان کا خاتمہ ہوگیا اور ان کی بساط اس طرح لپیٹ دی گئی گویا وہ کبھی تھے ہی نہیں اور اگلے دس سال میں تو پورا عرب رسول اللہ ﷺ کے تابع فرمان ہوگیا۔

ک۔قبایلِ عرب میں اسلام کا چرچا

مقاطعہ کے اس معاہدہ کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ اس کی وجہ سے مسلمانوں کا تذکرہ سارے عرب میں پھیل گیا اور اسلام پورے عرب کا گرم موضوع بن گیا۔ سارا عرب اس سے واقف ہوگیا کہ اللہ نے مکہ میں ایک نبی مبعوث فرمایا ہے۔ لوگ اسلام کو جاننے کی کوشش کرنے لگے اور یہ بھی دیکھنے لگے کہ آخر وہ کون سی طاقت ہے جس کو کچلنے کے لیے مشرکین اس حد تک جاسکتے ہیں کہ اپنے ہی ابنائے جنس کو، اپنے خاندان کے افراد کو اور اپنے بھائیوں کو بھوکا مار دیں۔

مقاطعۂ شعب کی دعوتی اعتبار سے بھی بڑی اہمیت ہے۔ اس کے دو پہلو ہیں: ایک یہ کہ اس معاہدہ کی وجہ سے سارا عرب اسلام اور مسلمانوں سے واقف ہوگیا۔ مکہ مکرمہ میں یوں تو لوگ آتے ہی رہتے تھے لیکن ایام حج میں تو سارے ہی عرب حج کرنے آتے تھے۔ اس وقت وہ مقاطعے کے اس مسئلے کو بھی سنتے تھے۔ اس کی وجہ سے اسلام کا چرچا سارے عرب میں ہوگیا۔ اس معاہدہ کی دوسری اہمیت یہ ہے کہ یہ دستاویز مسلمانوں کے حوالے سے قدیم ترین دستاویز تھی۔ گویا یہ مسلمانوں کے وجود کا پہلا باضابطہ اور تحریری اعتراف تھا۔ اس نے مسلمانوں کو بحیثیت جماعت سارے عرب میں متعارف کرا دیا۔ کیوں کہ عرب قبائل مکہ کے حالات سے واقفیت رکھتے تھے۔ انھوں نے اس بات کو محسوس کرلیا کہ اب مکہ میں ایک نئی جماعت وجود میں آگئی ہے، چنانچہ تجسس میں اسلام کو جاننے کی کوشش کرنے لگے۔

مقاطعہ کا خاتمہ

تین سال کے بعد اس سخت صعوبت اور دل خراش داستانِ الم کا خاتمہ ہو گیا۔ اس سے متعلق روایات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح تدریجاً یہ مقاطعہ عمل میں آیا تھا اسی طرح بتدریج اس کا خاتمہ بھی ہوا تھا۔اس کے دو عوامل اہم ہیں :ایک یہ کہ اس عرصے میں مشرکین کے اندر ایک جماعت ایسی پیدا ہو گئی جس نے مسلمانوں کی غیر مشروط حمایت شروع کر دی اور اس معاہدہ کو ختم کرنے میں اپنی پوری طاقت لگا دی۔ دوسرا عامل رب العالمین کی حکمت ہے کہ جب اللہ نے چاہا کہ یہ معاہدہ ختم ہو جائے تو اس نے دیمک کو اس دستاویز پر مسلط کر دیا، جو اس معاہدہ کو چاٹ گئی اور اللہ نے اپنے رسول کو بذریعہ وحی اس کی اطلاع دے دی۔آپؐ نے اپنے چچا جناب ابو طالب کے ذریعے یہ خبر مشرکین تک پہنچائی۔

جناب ابو طالب اس خبر کو سننے کے بعد اپنے آدمیوں کے ساتھ حرم میں گئے، جہاں سردارانِ قریش موجود تھے۔انہوں نے کہا :''میرے بھتیجے نے مجھے خبر دی ہے کہ اللہ عزوجل نے مقاطعہ کی دستاویز پر دیمک کو مسلّط کر دیا ہے اور اس میں جہاں اللہ کا نام تھا اس کو دیمک نے چاٹ لیا اور صرف ظلم وقطع رحمی اور بہتان طرازی کا مضمون باقی رہ گیا ہے۔ میرے بھتیجے نے مجھ سے کبھی جھوٹ نہیں بولا ہے۔اگر میرا بھتیجا جھوٹا ثابت ہو جائے تو تمھارا یہ حق بنتا ہے کہ میں اسے تمھارے حوالے کر دوں اور تم اسے قتل کر دو اور اگر وہ سچا ہے تو تمھیں اپنی اس قطع رحمی کی روش سے باز آ جانا چاہیے۔'' قریش نے اس پیش کش کو قبول کر لیا اور فریقین کی طرف سے اس کے مطابق عہد و پیمان ہو گیا۔ جب دستاویز کو کھولا گیا تو اس کی حالت ویسی ہی تھی جیسی کہ رسول اللہ ﷺ نے بتلائی تھی۔

ابن اسحاق اور موسیٰ بن عقبہ کی روایات میں ہے کہ دیمک نے اس معاہدے میں سے اللہ کا نام چاٹ لیا تھا اور ظلم و جور اور قطع رحمی کے الفاظ کو چھوڑ دیا تھا۔ ابن ہشام اور دوسرے اجلہ سیرت نگاروں نے اس کے بالکل برعکس لکھا

ہے۔ ان کے بقول اس دستاویز میں دیمک نے اللہ کا نام چھوڑ دیا تھا باقی حصے کو چاٹ لیا تھا۔

مقاطعہ کی اس دستاویز کے ختم کرنے کے سلسلے میں ابن اسحاق کی دوسری روایت یہ ہے کہ اسے کالعدم قرار دینے کے لیے قریش ہی کے چند افراد آمادہ ہو گئے تھے۔ اس ضمن میں ہشام بن عمرو بن ربیعہ نے جس طرح کا بہترین کردار ادا کیا ویسی کوشش کسی دوسرے نے نہیں کی۔

ہشام بن عمرو، زہیر بن ابی امیہ کے پاس گیا اور اس سے کہا : ''کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ تم کھانا کھاؤ، کپڑے پہنو اور عورتوں سے نکاح کرو، لیکن تمھارے ننھیال والے نہ خرید و فروخت کر سکیں نہ ان کے ساتھ رشتۂ مناکحت استوار کیا جا سکے، نہ وہ کسی کو امان دے سکیں اور نہ کوئی دوسرا انھیں امان دے سکے۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر معاملہ ابوالحکم بن ہشام (ابوجہل) کے ننھیال کا ہوتا تو ایسا کرنے پر کبھی تیار نہ ہوتا۔'' اس نے کہا : ''ہائے افسوس! لیکن میں اکیلا کیا کر سکتا ہوں؟'' ہشام نے کہا : ''میں تیرا ساتھ دوں گا۔'' زہیر نے کہا : ''ہمیں تیسرے ساتھی کی تلاش کرنی چاہیے۔'' ان دونوں نے مطعم بن عدی، ابوالبختری اور زمعہ بن اسود کو بھی تیار کر لیا۔ ان لوگوں نے طے کیا کہ وہ رات کے وقت مکہ کی بالائی سمت میں واقع حجون پہاڑ کے اس مقام پر ملاقات کریں جہاں سے وہ پہاڑ ٹوٹا ہوا تھا اور اس کی شکل سونڈ کی سی ہو گئی تھی۔ انھوں نے باہم سوچ بچار کر کے طے کیا کہ مقاطعہ کی دستاویز کو کس طرح ختم کیا جائے گا۔ زہیر نے کہا : ''میں بات کی ابتدا کروں گا، تم لوگ میری تائید کرنا۔'' جب صبح ہوئی تو یہ لوگ قریش کی مجالس کی طرف گئے۔ زہیر بن امیہ نیا لباس پہن کر گیا۔ اس نے بیت اللہ کے گرد سات چکر لگائے، پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر اس طرح خطاب کیا : ''اے اہل مکہ! کیا ہم کھانا کھائیں، مشروبات پئیں اور کپڑے پہنیں، اس حال میں کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب ہلاک ہو رہے ہیں؟ نہ وہ کسی سے کچھ خرید سکتے ہیں اور نہ ان سے کچھ خریدا جاتا ہے اور نہ ہی ان سے ازدواجی رشتے استوار کیے

جاتے ہیں۔ اللہ کی قسم! میں اس وقت نہ کھاؤں گا اور نہ پیوں گا جب تک کہ یہ ظالمانہ اور قطع رحمی پر مبنی تحریر پھاڑ نہ دی جائے۔ ابوجہل اس وقت مسجد کے ایک کونے میں تھا۔ وہ پکار اٹھا: ''تم جھوٹ کہتے ہو، یہ دستاویز ہرگز نہ پھاڑی جائے گی۔'' زمعہ بن اسود نے ابوجہل سے کہا: ''تم سب سے زیادہ جھوٹے ہو۔ جب یہ تحریر لکھی گئی تھی۔ ہم اس وقت بھی اس پر راضی نہیں تھے۔'' ابوالبختری نے کہا: ''زمعہ بن اسود سچ کہتا ہے۔ اس دستاویز میں جو کچھ لکھا ہوا ہے، ہم اس پر راضی نہیں ہیں اور نہ اس کا اقرار کرتے ہیں۔'' مطعم بن عدی نے تائیداً کہا: ''تم دونوں سچ کہتے ہو اور جھوٹا وہ ہے جو اس کے علاوہ کچھ کہتا ہے۔ ہم اللہ کے حضور اس دستاویز سے اور اس میں تحریر کردہ مضمون سے براءت کا اعلان کرتے ہیں۔'' ان سب لوگوں نے اس دستاویز کی تردید کی اور اس کو پھاڑنے کے لیے جو موقف اختیار کیا، ہشام بن عمرو نے بھی اس کی تائید کی۔ ابوجہل نے کہا: ''یہ تو ایسا منصوبہ ہے جو رات کو کسی اور جگہ بیٹھ کر تیار کیا گیا ہے۔'' اس موقع پر ابوطالب بھی مسجد میں ایک طرف بیٹھے ہوئے تھے اور لوگ جو کچھ کر رہے تھے اسے دیکھ رہے تھے۔ پھر مطعم بن عدی نے اٹھ کر اس دستاویز کو چاک کر دیا۔ ۸۲

ابن اسحاق کے حوالے سے اوپر دو روایات ذکر کی گئی ہیں۔ ان میں کسی نہ کسی سطح پر تناقص نظر آتا ہے۔ لیکن حقیقت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو دونوں میں کوئی استبعاد نہیں ہے۔ اس لیے کہ مقاطعہ کے اس معاہدہ کا خاتمہ حکمتِ الٰہی تھی۔ اللہ نے دونوں باتوں کو ایک ساتھ جمع کر دیا، جس کی وجہ سے ایک طرف مسلمانوں کی حیثیت مضبوط ہوگئی، دوسری طرف لوگوں کے ذہن میں یہ بات بھی جاگزین ہوگئی کہ مسلمانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خصوصی مدد ہے۔

دونوں واقعات میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ ایک طرف انصاف پسند سرداران قریش نے اس مقاطعہ کے خاتمہ کے لیے کوشش شروع کی اور دوسری طرف رسول اللہ ﷺ کو اللہ نے خبر دی کہ دستاویز کو دیمک کھا گئی۔ اگر اس وقت کے حالات کا تناظر دیکھا جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مقاطعہ ایک دن میں ختم نہ ہوا

ہوگا بلکہ کافی جد وجہد کے بعد یہ سماجی مقاطعہ ختم ہوا۔اس دوران مذکورہ بالا دونوں امور ایک ساتھ انجام پائے ہوں گے۔

بنو ہاشم کا شعب سے باہر آنا:

مسلمانوں کی حمایت میں قریش کے ایک گروہ کے کھڑے ہوجانے سے اور معاہدہ کی دستاویز کو دیمک کے چاٹ جانے سے اس معاہدہ کی قانونی حیثیت ختم ہوگئی تھی۔لیکن مشرکین میں کچھ شرارتی عناصر ایسے تھے جو اس کے باوجود اس مقاطعے کو جاری رکھنا چاہتے تھے اور مسلمانوں کو کوئی رعایت دینے کو تیار نہیں تھے۔ جناب ابوطالب، جو اس وقت حرم ہی میں تھے، اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ کعبہ کے پردے سے لپٹ گئے اور دعا کی کہ اے اللہ! جنہوں نے ہمارے اوپر ظلم کیا ہے، ہمارے ساتھ قطع رحمی کی اور ہمارے لیے اس کو جائز رکھا جو جائز نہیں تھا، ان کے مقابلے میں ہماری مدد فرما"۔اس کے بعد آپ شعب میں واپس چلے گئے۔ ۸۳؎

نویری نے لکھا ہے کہ تب قریش کے سرداروں کو غیرت آئی اور وہ مسلح ہوکر شعب میں گئے اور مسلمانوں کو نکال کر لائے جو لوگ مسلح ہو کر گئے تھے ان میں مطعم بن عدی، عدی بن قیس، زمعہ بن الاسود، ابوالبختری بن ہشام اور زہیر بن ابی امیہ کا نام لکھا ہے۔ بلاذری نے ان کے علاوہ ہشام بن عمرو اور عتبہ بن ابی ربیعہ کا نام بھی لکھا ہے۔ ۸۴؎

متعدد سیرت نگاروں نے مقاطعہ ختم کرانے میں عمرو بن ہشام کے کردار کی سب سے زیادہ تعریف کی ہے۔انھوں نے لکھا ہے کہ ھشام سے زیادہ کسی نے بھی اس معاہدہ کے خاتمہ کی کوشش نہیں کی۔ایام مقاطعہ کے دوران بھی ہشام کا کردار اچھا رہا اور انھوں نے صلہ رحمی کا رویہ رکھا تھا۔

بعض سیرت نگاروں نے اس واقعہ کی تفصیلات میں اختصار سے کام لیا ہے، مثلاً کئی لوگوں نے صرف اس کا تذکرہ کیا ہے کہ دستاویز کو دیمک چاٹ گئی، گویا مقاطعہ ختم ہو گیا، لیکن دیگر سیرت نگاروں کی تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد بھی لوگوں کو مقاطعہ ختم کرانے میں طاقت کا استعمال کرنا پڑا تھا۔

حواشی ومراجع

۵۵۔ السیر والمغازی، ص ۱۵۸ ۵۶۔السیر والمغازی، ص ۱۵۶
۵۷۔ دلائل النبوۃ، ص ۲۷۳ ۵۸۔ابن اسحاق، ص ۱۵۹
۵۹۔ ابن اسحاق، ص ۱۵۹ ۶۰۔جمل من انساب الاشراف جلد ۱، ص ۲–۲۷۱

۶۱۔ ابن ھشام، جلد ۲، ص ۲۷، السیر والمغازی، ص ۶۵ ۶۲۔ السیرۃ ابن اسحاق
۶۳۔ تاریخ طبری، جلد ۲، ص ۳۳۶۔مزید ملاحظہ کیجیے سیرت ابن ہشام، جلد ۲، ص ۸
۶۴۔ ابن ہشام، جلد ۲، ص ۹–۸
۶۵۔حافظ مغلطائی: الاشارہ الی سیرۃ المصطفی، تحقیق محمد نظام الدین الفُتیّح، دارالقلم، دمشق، الدار الشامیۃ، بیروت، طبع اول، ص ۱۲۷: ۶۶۔الدرر فی اختصار مغازی والسیر، ص ۵۷
۶۷۔ صحیح البخاری، حدیث نمبر ۲۲۹۷ ۶۸۔ سیرت ابن ہشام: جلد ۲: ص ۴۲
۶۹۔ ذکر قدوم وفد نجران، زین الدین العراقی، الفیۃ السیرۃ النبویہ، سی محمد بن علوی مالکی الحسنی، دارالمنہاج، لبنان، بیروت، طبع اول ۲۰۰۵، ص ۵۴:۔ ۷۰۔طبقات ابن سعد، جلد ۱، ص ۱۷۷
۷۱۔ ابن کثیر: السیرۃ، جلد ۲، ص ۴۲–۴۳
۷۲۔صحیح بخاری میں یہ حدیث، حدیث نمبر پر ۱۰۰۷، ۱۰۲۰، ۴۶۹۳، ۴۷۶۷، ۴۷۷۴، ۴۸۰۹، ۴۸۲۰، ۴۸۲۱، ۴۸۲۲، ۴۸۲۳، ۴۸۲۴وغیرہ پر درج ہے۔
۷۳۔صحیح بخاری، حدیث نمبر ۴۷۷۴ ۷۴۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۱۰۰۸، ۱۰۰۹
۷۵۔ملاحظہ کیجیے: صحیح بخاری، حدیث نمبر ۱۰۲۰ کی تشریح
۷۶۔الموسوعۃ فی صحیح السیرۃ النبویۃ (العہد المکی) ص ۳۷۸:
۷۷۔صحیح بخاری حدیث نمبر ۴۸۲۱
۷۸۔ صحیح بخاری، حدیث ۳۴۹۱ اور ۳۴۹۲ ۷۹۔حدیث نمبر ۱۰۰۶
۸۰۔ جامع الترمذی، حدیث نمبر ۳۱۹۴:
۸۱۔دلائل النبوۃ، بیہقی، السفر الثانی، ص ۳۳۳-۳۳۰
۸۲۔ ابن اسحاق، ص ۱۶۴–۱۶۶ ۸۳۔نہایۃ الارب نویری جلد ۱۶، ص ۱۸۴
۸۴۔ انساب الشراف جلد ۱، ص ۲۷۳

قرونِ وسطیٰ کے انگریزی ادب میں اسلام اور مسلمان

جناب زریاب احمد فلاحی

یورپ کی تاریخ کے تاریک دور کے مہیب سائے وسطی عہد پر بھی منڈلا رہے تھے اور اہلِ یورپ بڑی دشوار اور کس مپرسی کی زندگی گزار رہے تھے۔ ان ادوار میں معائب و مآثم کی موجیں زوروں پر تھیں اور انسانی شرافت و عظمت کے سوتے خشک ہوگئے تھے۔ جہالت، لا قانونیت اور پستی کی بدلیاں ہر طرف چھائی ہوئی تھیں۔ ظلم و زیادتی عام تھی۔ سارا یورپ تاریکی، وحشت و بربریت اور شقاوت کی فضاؤں میں سانس لے رہا تھا۔ ناخواندگی چہار سو پاؤں پسارے ہوئے تھی۔ گناہ، فسق و فجور اور مصائب کا دور دورہ تھا۔ جنگیں مستقل اپنی طنابیں کھینچے ہوئی تھیں اور وحشیانہ اعمال کا ارتکاب ہو رہا تھا۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ہر طرح کا بگاڑ اور فساد سماج میں اپنی جڑیں جمائے ہوئے تھا۔

المیہ یہ تھا کہ ایک زمانہ تک یورپ کو اپنی اس وحشت و بربریت کا احساس تک نہیں ہوا۔ گیارہویں بارہویں صدی میں وہ اپنے طویل خوابِ غفلت و جہالت سے بیدار ہوا اور اس کے اندر تھوڑا بہت علمی رجحان پروان چڑھا۔ چنانچہ علمی استفادہ کے لیے اس نے عربوں (مسلمانوں) کی طرف رخ کیا اور ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، کیوں کہ وہی مملکت علم وفن کے اس عہد میں مسند نشیں تھے۔ R.W.Southern نے لکھا ہے: ''قدیم دنیا جب ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوئی تو یونانی فکر وفلسفہ اور سائنسی علوم کا خاص الخاص وارث اسلام ہی بنا، جب کہ وحشی مغربی دنیا کے حصے میں روم کی ادبیات کا طومار آیا۔ یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے، بلکہ تاریخ فکر انسانی کا حیرت انگیز

ترین حادثہ ہے، جیسے کہ اسلام کا بحیثیت سیاسی قوت ظہور تاریخ انسانی کی انتہائی محیر العقول حقیقت ہے۔ مشرق و مغرب کے اس علمی و فکری تضاد کا جب بارہویں صدی کے لاطینی فضلاء کو پہلی بار ادراک ہوا تو وہ انگشت بدنداں رہ گئے اور ایسا لگا جیسے ان پر ایٹم بم کی بارش کردی گئی ہو۔''[۱] مشرق، شمالی افریقہ اور اندلس میں مسلمانوں نے نہایت اعلیٰ تہذیب کی شمع روشن کر رکھی تھی، جب کہ یوروپ کے حالات انتہائی ناگفتہ بہ تھے۔ چرچ کے تسلط نے حالات اور بھی سنگین بنا دیے تھے۔ جامد اور فرسودہ افکار و نظریات کو اس نے حرز جاں بنا رکھا تھا۔ آزادی رائے کا فقدان تھا۔ فکر و نظر پر کلیسا نے تالے لگا رکھے تھے۔ ایک طرف یورپ جہالت اور اخلاقی پستی کے دلدل میں دھنسا ہوا تھا تو دوسری طرف اس دور میں عظیم قرطبہ عہد وسطی کا ایک عجوبہ تھا، جس نے تنہا مغرب میں تہذیب و ثقافت اور مدنیت و شہریت اور علوم و فنون کی شمع فروزاں کر رکھی تھی۔

اس عہد کے انگریزی ادب میں اسپین اور شمالی افریقہ کے عربوں کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد کے ہاتھوں اسپین ۷۱۱ء عیسوی میں فتح ہوا اور یہاں سقوطِ غرناطہ ۱۴۹۲ء تک اسلامی حکومت قائم رہی۔ ''اس دوران میں یورپ کو اسلامی دنیا سے بڑے پیمانے پر نتیجہ خیز تعامل کا موقع ملا۔ سرزمینِ یوروپ پر تہذیبِ اسلامی کے مظہر اور مشرق و مغرب کے مابین ایک فطری پل کی حیثیت سے مسلم اسپین نے بنیادی طور پر مشرقی افکار و تصورات کی ترسیل کے نمائندہ کے طور پر اہم خدمات انجام دیں۔ اسلامی دنیا سے علوم و فنون کی یورپ منتقلی اس مرحلہ کی اہم ترین خصوصیت ہے۔ C.H.Haskins کے مطابق بارہویں صدی کی نشأۃِ ثانیہ اسی اسلامی علوم و فنون کے فیضان کا مرہون منت ہے۔''[۲]

پہلی صلیبی جنگ میں ذرا سی کامیابی کیا ملی کہ پوپ پاسکل دوم نے اندلس کے مسلمانوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا اور ان کے خلاف گرجے کی دولت کے استعمال کی عام اجازت دے دی۔ انگلستان، جرمنی اور ہالینڈ سے ان جنگوں کی حمایت کرنے والے صلیبی مشن بھیجے گئے، جنھوں نے عیسائیوں کو جنگ میں حتی المقدور کوشش

کرنے پر ابھارا۔ پوپ گریگوری نے تو ۱۲۴۴ء میں ایک قرار داد منظور کی، جس میں مسلمانوں سے جنگ کرنے والے عیسائیوں کے گناہ بخش دیے جانے کا پُر فریب وعدہ کیا گیا۔ ۳؎ ۱۴۵۳ء میں مسلمانوں نے قسطنطنیہ فتح کر لیا۔ اس واقعہ کے بعد اسپین کے عیسائیوں نے مسلمانوں پر حملے تیز کر دیے۔ غرناطہ کے بدتر داخلی حالات نے بھی عیسائیوں کی مدد کی۔ ۶۳۴ء میں جب عربوں نے سیریا کو مغلوب کیا تھا اسی وقت سے قسطنطنیہ اسلام سے مقابلہ آرائی کر رہا تھا۔ اس پر قبضہ کا مطلب تھا کہ مسیحی دنیا کا نظام دفاع ختم ہوا اور مسلمانوں پر برّ اعظم یورپ میں داخلے کے دروازے کھل گئے۔

Geoffery Chaucer(۱۳۴۳ء۔۱۴۰۰ء) کو مؤرخین و نقّاد انگریزی ادب کی نشو ونما کی حقیقی ابتدا مانتے ہیں۔ انحائے عالم میں معروف و مشہور دورِ جدید کی انگریزی زبان کی اساسیات کو وضع کرنے کا سہرا اسی کے سر باندھا جاتا ہے۔ اپنے فن پاروں کو اس نے انگریزی طرزِ حیات و مسیحی فکر کی روح سے سرشار کر دیا ہے۔ چاسر مختلف حیثیتوں سے انگریزی ادب کا مورثِ اعلیٰ ہے۔ وہ انگریزی شاعری وناول اور جدید انگریزی زبان کا جدِ امجد ہے۔ Lowes کے بقول چاسر نے انگریزی کو علاقائی بولی (Dialect) کی شکل میں پایا اور زبان Language کے مرتبے پر فائز کر دیا۔ ۴؎ اس کے زمانے میں لندن میں انگریزی کی چار علاقائی بولیاں رائج تھیں۔ ۵؎ The Northern,The Southern,The East Mid Land,The West Mid land۔ اس نے Mid Land (London) dialect کا انتخاب کیا۔ ۶؎ The East یعنی King's English

Hudson لکھتا ہے کہ ''اس کے زیر اثر قافیہ نے رفتہ رفتہ صنعت تجنیس کو انگریزی شاعری سے بے دخل کر دیا۔'' ۷؎ پروفیسر Skeat کا کہنا ہے کہ چاسر نے کم سے کم تیرہ اوزان انگریزی شاعری میں متعارف کرائے۔

Elbert کے مطابق چاسر The earliest of the great moderns یعنی دورِ جدید کے عظماء میں سرفہرست ہے۔ ۸؎ اسے The morning Star of

the Renaissance (سہ اۃ ثانیہ کا ستارۂ صبح) بھی کہا جاتا ہے۔۹؎ انگریزی ادب کا وہ پہلا حقیقی مزاح نگار شاعر ہے۔مزاح اس کی تخلیقات کی روح اور جزء لاینفک ہے۔۱۰؎ اسے Prince of plagiarists کی حیثیت سے بھی شہرت حاصل ہے۔ یعنی اپنی کہانیاں وہ خود ایجاد نہیں کرتا، بلکہ شیکسپیر کی طرح کلاسیکی اطالوی، فرانسیسی اور انگریزی مأخذ سے انھیں عاریۃً لیتا ہے۔۱۱؎ لیکن انھیں اپنے دل کش اسلوب بیان کا پیراہن عطا کر کے لازوال بنا دیتا ہے۔

حکایات کینٹر بری چاسر کی مشہور ترین مگر نامکمل تصنیف ہے۔ General prologue میں انتیس (۲۹) زائرین کی Tabard Inn میں ملاقات کا ذکر ہے۔ان میں سے اکیس (۲۱) زائرین کی مفصل قلمی تصویر کشی کی گئی ہے۔ اس نظم میں ایک سو اٹھائیس (۱۲۸) کہانیاں لکھنے کا منصوبہ تھا، مگر صرف چوبیس (۲۴) ہی کی تکمیل ہو سکی۔ اس میں چاسر نے اسلام، مسلمان اور پیغمبر اسلام ﷺ سے تعرض کیا ہے۔مثلاً The Man of law's tale کی حکایت میں مشنری جوش و جذبہ پوری طرح سے سرایت کیے ہوئے ہے، کیوں کہ Constance، شہنشاہ روم کی شہزادی Syria کے سلطان سے اس مقصد کے تحت شادی کرتی ہے کہ اسے عیسائی بنا سکے اور بت پرستی (اسلام) کا خاتمہ ہو سکے اور محبوب شریعتِ عیسوی کو فروغ حاصل ہو سکے۔ قرآن اور پیغمبر اسلام ﷺ کا تحقیر آمیز ذکر اس حکایت کے مناظرانہ پہلو کو موکّد کر دیتا ہے۔۱۲؎ اس میں وہ عیسائیوں کی غیر عیسائی اقوام وملل سے شادی کو موضوع بحث بناتا ہے اور یہ واضح کرتا ہے کہ The Man of law's یعنی وکیل کی نظر میں ایسا کرنا عیسایت میں حرام ہے، کیوں کہ عیسائی صرف عیسائی سے ہی شادی کر سکتا ہے، غیر عیسائی سے شادی کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ معاملہ دین محمد ﷺ کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ حضرت محمد ﷺ کے لیے چاسر نے Mahoun یعنی شیطان (نعوذ باللہ) کی تعبیر استعمال کی ہے۔ Syria کا سلطان اپنی رعایا کی اس مخالفت کو مسترد کر دیتا ہے کہ کوئی عیسائی شہزادہ بخوشی اپنی شہزادی کی شادی ہمارے نبی ﷺ Mahoun کے لائے محبوب قانون کے مطابق کرے گا۔۱۳؎

That no Cristen prince Wolde Fayn
Wedden his child under oure law sweete
That us was taught by Mahoun,our Prophet

اسی حکایت میں چاسر نے اسلام و مسیحیت کے درمیان مقارنہ و مقابلہ کے شروع میں لکھا ہے کہ مسلمان بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور ان کا بت یا خدا از منۂ وسطی میں Termagaunt کے نام سے معروف تھا۔ ۱۴؎

THe Romance of Guy of warwick میں عیسائیوں کے ہاتھوں شکست سے دوچار ہونے پر ایک مسلم سلطان Termagant اور Mahound خداؤں کے خلاف یوں غصہ اتارتا ہے :

And thou termagant, also: Moche sorrowe
come thee to
And tho, Mahound, their allei Lorde
Thou art not worthe a mouse torde!

"اور تم بھی Termagant، بہت سا رنج و غم تمہیں لاحق ہو جائے اور تم محاونڈ، ان کے حلیف، تو ایک چوہے کے نذرانے کے بھی لائق نہیں ہو۔"

اس میں وہ آپؐ کے نام کی تین یا چار شکلیں استعمال کرتا ہے، جن میں سے دو بہت فحش ہیں۔ درج ذیل اقتباس میں چاسر قرآن کے لیے Alkaron اور حضرت محمد ﷺ کے لیے Makomete کا لفظ استعمال کرتا ہے :

"Lordes" quod she, ye knowen everichon,
How that my sone in point is for to lete,
The hooly lawes of our Alkaron,
Yeven by Goddes message Makomete
But oon avow to grete God I heete
The lyf shal rather out of my body sterte
Or Makmoetes law of myn herte

ان اشعار میں چاسر نے قرآن کریم اور نبی اکرم ﷺ کا مذاق اڑایا ہے۔ وہ کہتا

ہے کہ بعض لوگ مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد مرتد ہوگئے، کیوں کہ انھیں اسلام میں شفائے دردِ دل اور راحت جاں کا کوئی نسخۂ کیمیا ہاتھ نہیں آیا اور یہ کہ قرآنی تعلیمات اور حضرت محمد ﷺ کے ارشادات اور رسالت جھوٹ و من گھڑت ہیں۔ اسی وجہ سے ان لوگوں نے حضرت محمد ﷺ اور ان کے لائے ہو قرآن سے بیزاری کا اظہار کیا۔ (نعوذ باللہ من ذلک)۔ اس حکایت میں دو خواتین دو طاقتوں کی نمائندگی کر رہی ہیں: عیسائی Constance خیر کی نمائندہ ہے، جب کہ مسلم ملکہ کوشر کے ترجمان کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ ۱۴؎ اس میں غیر عیسائی دنیا کو Strange عجیب، اجنبی اور Barbre یعنی بربر اور وحشی کہا گیا ہے۔ Brenda Deen Schildgen کے بقول The man of law's tale ''تہذیبی اختلاف کو مجسم شکل عطا کرتی ہے، سخت خطوط کھینچتی ہے اور اسلام و عیسائیت کے مابین جاری و ساری متعلقہ تضادات میں شدت لاتی ہے۔'' Quinn نے بھی چاسر کے تعصب سے پردہ اٹھایا ہے۔ اس نے لکھا ہے: ''چاسر کی حکایات کنٹربری میں، جیسا کہ The man of law's tale سے واضح ہے، اسلام صاف طور پر عیسائیت کا دشمن تھا۔ مسلمانوں اور عیسائیوں کی منحوس مڈبھیڑوں کی جملہ جزئیات کا The man of law's tale میں استقصاء کیا گیا تھا۔'' وہ مزید لکھتا ہے: ''چاسر نے مسلم عیسائی کی مڈبھیڑ کو بڑی چالاکی سے منفی رخ دے دیا۔ اس کی نظر میں سیر یا غیر مہذّب اور وحشی جگہ ہے۔ یہاں دغا باز اور مکار حکم راں متوطن ہیں، جو غلط دین و مذہب کے پیروکار ہیں۔ اس کے برعکس روم دنیا کا مرکز حقیقی یعنی قانون، دین صحیح اور نیکوکاروں کے مرکز کا نمائندہ ہے۔''

چاسر نے اگرچہ پیغمبرِ اسلام کے لیے مضحکہ خیز و تمسخر آمیز لفظ Mahoun کا استعمال کیا ہے، مگر وہ اسلام اور محمد ﷺ کی عیسائیت سے مختلف اور ممتاز حیثیت کا، جیسا کہ مذکورہ اقتباس سے واضح ہے، معترف ہے۔ اس کے مطابق اسلام اور محمد ﷺ کا اپنا ذاتی تشخص ہے۔ بالخصوص اشاعت و فروغ علم و فن کے پس منظر میں اسلام کے رول کا اعتراف اس کی دو کتابوں The Treatise on the Astrolabe اور General prologue to the canterbury tales میں نمایاں ہے۔ Schildgen کے

مطابق ازمنۂ وسطی کے دیگر جان کار مصنّفین کی طرح چاسر بھی اسلامی علم وفضل کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اول الذکر کتاب میں اپنے درجہ استناد کے اظہار کے لیے وہ عربی ماہرین فلکیات کو اپنا مأخذ قرار دیتا ہے اور اسلامی علم وفضل کی تعظیم میں خاص طور پر القابلیسی (دسویں صدی کا ماہر نجوم) اور زرکلی (گیارہویں صدی کا ماہر فلکیات) کے اقتباسات نقل کرتا ہے۔ Chaucer کا Doctor of phisik رومیوں اور ایرانیوں کے تخلیقات کے ساتھ ازمنہ وسطی کے عرب اور مسلم ماہرین سے بھی کما حقہ واقف ہے۔''۱۵؎

چاسر کی ایک دوسری حکایت The knight's tale ہے۔ اس کا موضوع ایک زائر منصب دار کا قصہ ہے۔ اس میں اس کی شجاعت و بہادری اور کارناموں کا ذکر ہے، جن کا توارث صلیبی جنگوں کے زمانے سے مسلسل ہوتا رہا ہے۔ اس قصے میں مسلمان دشمنوں کے خلاف لڑائیوں اور معرکوں میں مسیحی منصب دار کی طاقت وقوت اور جواں مردی پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔ مسیحی منصب دار جنگ وقتال کی جس انتہا پر فائز ہیں اور شجاعت و بہادری کے جس بے مثال مظاہرہ پر وہ قادر ہیں یہاں انھیں کا بیان ہوا ہے۔ ان سب کی بنیاد دین مسیحیت کی روح پرور تعلیمات ہیں۔ اس میں مسلمانوں کو سخت دل، بربر، جنگلی اور وحشی کے روپ میں پیش کیا گیا ہے جن کا ناجائز قبضہ، لوٹ مار، قتل وخوں ریزی اور عورتوں کو قیدی بنا لینے کے علاوہ کوئی اور مشغلہ نہیں تھا۔ اس کے برعکس نصاریٰ عالی مرتبت اور رفیع الشان تھے۔ دوران حکایت چاسر نے ان جنگوں پر بحث کی ہے جن میں منصب دار نے مسلمانوں کے ساتھ مغرب اور جزائر میں پنجہ آزمائی کی ہے۔ ان معرکوں میں مسلمانوں کو گھٹیا، رذیل، کمینہ، ڈرپوک، بزدل، سرتسلیم خم کر دینے والا، ملحد اور بت پرست دشمن جیسے القاب سے نوازا گیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

A knyght ther was, and that a worthy man,
That fro the tyme that he first bigan
To riden out, he loved Chivalrie

As wel in Christendom as in hethensse
And ever honoured for his worthynesse
At Alisundre he was whan it was wonne
No Cristen man so ofte his degree
In Gernade at the seege eek hadde he be
of Algezir and riden in belmarye
And foughten for over feith at Tramyssene
in lystes thires and ay slayn his foo
This llke worthy knyght hadde been also
Some tyme with Lord of palatye
Agayn another hethen in Turkye(16)

The parson's tale میں تو چاسر کی اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی دشمنی میں مزید شدت آجاتی ہے۔ وہ حضرت محمد ﷺ اور مسلمانوں کو بت پرست سمجھنے لگتا ہے اور انھیں 'حریص' کی صفت سے متصف گردانتا ہے، کیوں کہ اس کے مطابق حرص بت پرستوں کی فطرت ثانیہ ہوا کرتی ہے۔ حریص اور بت پرست کا فرق وہ یہ بتاتا ہے کہ بت پرست کے پاس ایک یا دو بت ہوتے ہیں، جب کہ حریص کے پاس بہت سے بت ہوتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے :

What difference is the r bitwixe an ydolastre
And an avaricious man? but
That an ydolastre, per aventure, he hath but
O mawmet or two, and the avaricious man
hath many.

چاسر کے مطابق مسلمان حریص ہوتے ہیں۔ وہ اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں۔ ان کی کماحقہ قدر نہیں کرتے، جب کہ یہ Parson نعمتِ خداوندی پر سجدۂ شکر بجالاتا ہے، محمد ﷺ، جھوٹا مدعی نبوت، (نعوذ باللہ) اس Parson جیسا نہیں ہے۔

عبدالستار، اے،ہل اللہ کے الفاظ ملاحظہ ہوں: ''اس میں چاسر نہ صرف یہ کہ ازمنۂ وسطی میں رائج آپؐ کے کافر و بت پرست ہونے کی گھسی پٹی تصویر پیش کرتا ہے، بلکہ پیغمبر اسلام ﷺ کے نام سے مأخوذ Maumetry بمعنی بت پرستی کا نیا لفظ بھی وضع کرڈالتا ہے۔'' ۱۷؎

چاسر اسلام کو پیغمبر اسلام ﷺ کا گھڑا ہوا دین قرار دیتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اسلام صفحۂ ہستی سے مٹ جائے اور Cristes law یعنی شریعت عیسوی اس کا بدل بن جائے۔ اسلام کے لیے وہ Mawmettrie کی اصطلاح اختیار کرتا ہے۔

انگریزی ادب کے نقاد حکایاتِ کنٹربری اور اس کے مصنف کو بڑی اہمیت دیتے ہیں،لیکن سب سے زیادہ اہمیت The knight's tale اور The parson's tale کو دی گئی ہے، کیوں کہ دونوں اسلام و مسیحیت کے مابین جاری و ساری عداوت کے دوراہے (crossroads) کی نمائندگی کرتی ہیں اور ان سے برملا اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی کسر شان ہوتی ہے۔

اس بحث کی روشنی میں ہم ایک پہلو سے جہاں انگریزی ادب میں چاسر کا ادبی مقام و مرتبہ معلوم کرسکتے ہیں، وہیں دوسرے پہلو سے اسلام اور مسیحیت کے پس منظر میں اس کی تعیین قدر بھی کرسکتے ہیں۔ پروفیسر عبدالرحیم قدوائی کے مطابق ''مغرب اور مسلم دنیا کے بین ثقافتی مفاہمت کو فروغ دینے میں چاسر کی تصنیف General Prologue to the Canterbury Tales کو شرف تقدّم حاصل ہے۔عربی سے مستعار سیکڑوں الفاظ کے علاوہ چاسر کی تخلیقات میں عربی مقامات، ایجادات، جڑی بوٹیوں، آلات موسیقی و علم فلکیات اور نمایاں مسلم فضلاء کی تصانیف کا کثرت سے ذکر ملتا ہے۔ اس Prologue نے تاریخ میں پہلی بار علم وفن کے میدان میں مسلم تعاون اور رول کو نہ صرف یہ کہ تسلیم کیا بلکہ آگے بڑھ کر اس کی تحسین بھی کی۔اس سے بھی اہم تر پہلو یہ ہے کہ اس میں اسلام اور مسلمانوں کے نمایاں علیٰحدہ تشخص کو تسلیم کیا گیا ہے۔مغرب کی اکثر دوسری تحریروں کے برعکس یہ اسلام اور مسلمانوں کو یکسر مسترد کردینے والی یا اہانت آمیز نہیں ہے، باوجود

اس کے کہ چاسر نے حضرت محمد ﷺ کے لیے مکروہ لفظ Mahoun کا استعمال کیا ہے، مگر کم از کم وہ اس حیثیت سے دیگر مغربی مصنفین پر فائق ہے کہ اس نے آپؐ کے لیے یہ کہا کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے ایسے مجموعۂ قوانین کو نافذ العمل کیا اور خود ان کی عملی شہادت پیش کی جو عیسائی قوانینِ شرع سے نمایاں طور پر مختلف ہیں۔''۱۸؎

چاسر کے معاصرین یا متأخرین کی ایک نہایت قلیل تعداد نے اس کے بقدر اسلام اور مسلمانوں کو ہدف تنقید بنایا ہے۔ چاسر کا جگری دوست John Gower (۱۳۲۵ء۔۱۴۰۸ء) بھی اسلام سے شدید نفرت کرتا ہے۔ وہ متعصب قسم کا عیسائی ہے۔ اسی لیے عیسایت کے علاوہ اسے کسی اور دین و مذہب میں جوہر حق نایاب نظر آتا ہے۔ مسیحیت ہی سارے انسانوں کے لیے مثالی مذہب ہے۔ Gower کی تحریریں بھی عہد وسطی کی فکر سے متأثر ہیں۔ اس کی مشہور ترین نظم Confessio Amantes ہے، جس میں تینتیس ہزار (۳۳۰۰۰) سے زیادہ اشعار ہیں اور یہ ایک سو اکتالیس (۱۴۱) منظوم کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ Ker کے بقول یہ encyclopaedia of the art of love یعنی فن محبت کی دائرۃ المعارف ہے۔۱۹؎ یہ آٹھ (۸) حصوں پر مشتمل ہے۔ اسے ۱۳۸۶-۱۳۹۰ء کے دوران لکھا گیا تھا۔ یہ نظم اس عام فکر پر قائم ہے کہ انسان روحانی اور پاک محبت کا طریقہ اپنا کر نفس مطمینہ حاصل کرسکتا ہے۔ اس نظم کا Frame work امنز (Amens) نامی عاشق کا Genius کے حضور اعتراف Confession ہے۔ Amans سوال کرتا ہے: ''کیا مسلمانوں کو، جو کہ نصاریٰ کے شدید مخالف ہیں، قتل کرنا اور ان سے جنگ کرنا انجیل کے مطابق مباح ہے؟'' Gower کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

I prei you tell me nay or yee,
To passe over the grete see
To werre and sle the Sarazin,
Is that lawe. (20)

انجیل کے مطابق، جیسا کہ مندرجہ ذیل اشعار سے واضح ہے، مسلمانوں کو قتل کرنا جائز نہیں:

Sone myn,
To preche and soffre the faith,
That have I herd the gospel Seith,
But forto slee that hiere I noght. (21)

مذکورہ اشعار میں مسلمانوں کو قتل نہ کرنے کی جانب اشارہ ہے۔ ان میں حکم ہے کہ ان کے درمیان تبلیغ مسیحیت کے فریضہ کو انجام دینا اور انھیں دین نصرانیت کو قبول کر لینے کی دعوت دینا ہے۔

اس دور کے ایک اور شاعر و راہب John Lydgate (۱۳۷۱ء۔۱۴۵۱ء) نے بھی اسلام پر کلام کیا ہے۔ وہ پہلا انگریز شاعر ہے، جس نے سیرت النبی اور تعلیمات نبوی سے متعلق یورپی نقطۂ نظر کی قدرے تفصیل سے تصویر کشی کی ہے۔ ۲۲؎ چاسر کے بالکل برعکس وہ The Fall of Princes کے نویں حصہ میں (ص ۵۰ تا ۱۶۱) اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی یکسر منفی، بلکہ قابل نفرت تصویر کشی کرتا ہے۔ محض آپ کو بدنام کرنے یا ایک قدم آگے بڑھ کر آپ کو شرِ مجسّم کا روپ دینے کے لیے جملہ اقسام کی جھوٹی تہمتوں کا طومار باندھتا ہے اور قبیح ترین خاکہ پیش کرتا ہے۔ ۲۳؎ The Fall of princes (۱۴۴۰ء) اس کی مشہور ترین تصنیف ہے، جس میں خیر و شر کی پند آموز تمثیلیں بیان کی گئیں ہیں۔ اس کا مقصود خیر کی ستائش کرنا اور ہر قابل نفرت برائی کو منظر عام پر لانا ہے۔ Matthew Dimmock نے بڑے پتے کا نکتہ بیان کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ''اس میں Mahomet کو منفی نمونے کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے، جو کہ صالح اور نیکوکار کا متضاد ہے۔''۲۴؎ اسلام دشمنی میں Lydgate بھی اپنے پیش رو ادباء و شعراء کی ہی راہ پر گام زن ہے۔ اپنی اس نظم میں اس نے اکثر حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔ اس کا نظریہ نظم کے ذیلی عنوان Off Machomet the fals Prophete and how he beying dronke devoured among swyn" سے پوری طرح واضح ہے۔ ۲۵؎ ایک سو بارہ

(۱۱۲)اشعار پر مشتمل آپؐ کے تذکرہ میں پندرہ مرتبہ Falseیعنی جھوٹا کی صفت استعمال کی گئی ہے اور طرفہ تماشا یہ کہ بت پرستی، سحر، جادو اور شراب تک کو آپ سے منسوب کر دیا گیا ہے، جب کہ ان کے بارے میں یہ معلومات عام ہو چکی تھیں کہ آپؐ نے ان کی سخت ممانعت فرمائی تھی۔ اسی طرح کی اور بھی مہمل اور بے بنیاد باتیں اس نے آپؐ کے حوالے سے گھڑیں، مثلاً اونٹوں کو سواری کے لیے سب سے پہلے آپؐ نے استعمال کیا۔(سطر ۵۹) آپؐ نے مصر و خراسان کا سفر کیا اور وہاں بائبل کا مطالعہ کیا۔ (سطر ۶۰، ۶۳، ۶۷) آپؐ نے Venus کا مجسمہ نصب کیا اور تقدیس جمعہ کی دعوت دی۔(سطر ۱۳۳) آپؐ نے بزنطینی شہنشاہ Heraclius کو شکست دی اور مدہوشی کے عالم میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔(سطر ۱۵۳)۲۶ Lydgate نے لوگوں کو دھوکہ دینے کی غرض سے دو مزید جھوٹ گھڑے، وہ یہ کہ آپؐ نے ایک فاختہ اور بیل ٹرینڈ کر رکھا تھا اور یہ کہ آپؐ نے ایک سانڈ ٹرینڈ کر رکھا تھا۔ اس نے ایک اور بے بنیاد کہانی کو مقبول عام کیا وہ یہ کہ Sergius نے آپؐ کو اصول و قوانین سکھائے اور معجزات کی پیش کش میں مدد فرمائی۔ اس کی نظر میں سرجیس نے ہی آپؐ کو بہ طور پیغمبر پیش کرنے کی مہمیز دی اور اسی نے جزئی یا مکمل طور پر قرآن کی تصنیف کی ہے۔ آپؐ کے وصف میں وہ لکھتا ہے کہ آپؐ نے انتہائی فقر و فاقہ اور یتیمی کی زندگی گزاری۔ آپؐ سماج کے ایک پست طبقہ سے آئے تھے۔ اسی لیے آپؐ نے (نعوذ باللہ) منکرات اور جھوٹ کا طومار باندھا اور نبوت کا دعویٰ کر ڈالا۔ نزول وحی کے وقت آپؐ کی جو کیفیت ہوتی تھی اسے Lydgate مرگی یا ہسٹیریا کا نام دیتا ہے۔ اس کے مطابق وہ وحی الٰہی نہیں ہے:

in his excuse seide that Gabriel
Was sent to hym from heuenli mansioun
Be the Hooli Goost to his instructioun
For the angle shewed hym so sheene
To stand upriht he Mythe not susteene.(27)

اسی طرح وہ آپؐ کو روم و ایران کے بت پرستوں اور ادیانِ باطلہ کے قائدین

کے مثل قرار دیتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ تقدیس جمعہ کی دعوت دیتے ہیں، جو کہ رومیوں کے نزدیک محبت کے دیوتا Venus کا دن ہے۔ وہ لکھتا ہے :

And for he was lecherous of corage
He made of Venus sette up image.
Made Sarsyns to worshep the Friday,(28)

ایک دوسری جگہ Lydgate آپؐ کی وفات پر بحث کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ آپؐ نے ایک روزِ بلا کی بادہ نوشی کی اور تلچھٹ تک پی گئے۔ (نعوذ باللہ) چنانچہ آپؐ کو شدید نشہ ہوا، جس نے دماغ پر اثر ڈالا اور پھر آپؐ پر مرگی کا دورہ پڑا اور آپؐ بے جان ہو کر زمین پر گر پڑے۔ روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ کئی روز اسی حالت میں کھلے آسمان کے نیچے بے غسل و کفن پڑے رہے۔ وحشی جانور، خنزیر اور شکاری پرندے آ گئے اور آپؐ کی سڑی گلی لاش کو کھا گئے۔ (لاحول ولاقوۃ) اس کے الفاظ یہ ہیں:

Like a glotoun deied in dronkeness,
Bi excesse of mykil drynkyng wyn,
Fill in podel deuoured among swyn.(29)

اسلام میں خنزیر اور شراب دونوں حرام ہیں۔ Lydgate نے اس تعلق سے ایک نفرت انگیز اور توہین آمیز کہانی گھڑی ہے۔ وہ بد بخت کہتا ہے کہ چوں کہ Machomeete (محمد ﷺ) کی موت بلا نوشی کی وجہ سے ہوئی اور خنزیروں نے آپؐ کو (نعوذ باللہ) کھا لیا۔ اسی وجہ سے مسلمان شراب پیتے ہیں نہ خنزیر کا گوشت کھاتے ہیں۔۳۰ Higden کی کتاب Polychronicon سے متأثر ہو کر اس نے پیغمبر اسلام ﷺ سے ایک اور جھوٹا معجزہ منسوب کر ڈالا ہے کہ آپؐ نے ایک عظیم بیل ٹرینڈ کر رکھا تھا، جو اپنی سینگوں پر شہد اور دودھ کے چھوٹے چھوٹے برتن ڈھو کر لاتا تھا۔۳۱

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ Lydgate نے Fall of Princes میں ہرجتن کر کے آپؐ کو جھوٹا مدّعی نبوت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ اس کی بعض غلط فہمیوں کو بے چوں و چرا برحق تسلیم کر لیا گیا اور المیہ یہ ہوا کہ بعد

کے مصنّفین نے اس میں کچھ اور مرچ مسالہ لگا کر معاملات کو مزید خراب کر ڈالا۔

عہد وسطیٰ کے وہ مشہور شعراء جو چاسر کی وفات کے بعد منظر عام پر آئے اور انھوں نے اسی کے اسلوب و نہج کی پیروی کی، ان میں Scotland کے شاعر William Dunbar 1463-1530)) کو خاص مقام حاصل ہے۔ وہ ایک طرح سے Scotland کا ملک الشعراء ہے۔ اس کی مشہور ادبی تخلیقات The Thrissil and the Rose(1503) اور The Dance of the Seven Deidly Synn's ہیں۔ آخر الذکر نظم انگریزی ادب و تاریخ کی مشہور نظموں میں شمار کی جاتی ہے۔ اس میں سات مہلک گناہوں، مثلاً تکبر، حسد، غصہ، کاہلی، حرص و طمع، بسیار خوری اور شہوت پر شاعر نے گفتگو کی ہے اور Mahoun کو ان میں سے ایک گردانا ہے۔ سات مہلک گناہوں کا یہ رقص Ash Wednesday کی آمد پر جہنم کی گلیوں میں واقع ہوتا ہے۔ اس خالص عیسائی مواد کو مناظرانہ اور اسلام مخالف رخ دے دیا گیا ہے۔ اس میں آپؐ کو اس رقص کا لیڈر بتایا گیا ہے۔ آپؐ کو راہِ حق کا روڑا بتایا ہے اور آپؐ کو شریر و سرکش شیطان تک کہہ ڈالا ہے (نعوذ باللہ) جس کا ٹھکانہ آخرت میں جہنم کی آگ ہے، جس میں وہ اپنے گناہوں اور خطاؤں کے بوجھ تلے دبے ہوں گے۔ (نعوذ باللہ) آپؐ کو جہنم کی تقریبات کا نعوذ باللہ ماسٹر بتایا ہے۔ ''پہلے Mahomet کو بت یا خدا کے طور پر پیش کیا جاتا تھا، لیکن اب اسے بھوت پریت یا بدروح کا روپ دے دیا گیا اور جہنمی شکتیوں کے گروہ میں شامل کر دیا گیا۔ Piers Plowman میں بھی آپؐ کو نعوذ باللہ جہنمی قوائے شیطانیہ کے زمرے میں رکھا گیا ہے۔''

Than Cryd Mahoun for a Heleand padyane:
Syne ran a feynd to feche Makfadane,
for northwart in a nuke,
Be he the Correnoch had done fehout,
Ersche me so gadderit him about,
In Hell grit roume that tuke: (32)

آگے چل کر Dunbar نے بڑے بڑے گنہ گاروں اور مجرمین کی طرح آپؐ کو بھی جہنم تک گھسیٹ کر لے جانے کی تصویر پیش کی ہے :

Bot yit lunche nevir Mahoun,
Quhill presitis come in with bair shevin nekkis,
Than all the feyndis lewche and maid gekkis, (33)

اس نظم کو انگریزی ادب میں ناقدین نے بڑا اعلیٰ مقام عطا کیا ہے، خصوصاً اس حصہ کو جو اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ سے متعلق ہے ۔ ان کے مطابق یہ نہایت شان دار اور جان دار تصویر کشی ہے۔اس نظم کی بنیاد پر Dunbar کو عالمی ادب کے عظماء ومفکرین کی صف اول میں جگہ دی گئی ہے اور اسے بہترین فن کار تصور کر لیا گیا ہے جو زندگی، معاشرہ اور مذاہب کی جیتی جاگتی تصویریں پیش کرتا ہے، کیوں کہ اس کی قوتِ فکر کو الہام کا وافر حصہ نصیب ہوا ہے۔(العیاذ باللہ)

اس دور کے نثری ادب میں (1280-1364) Ranulf Higden اپنی ایک تاریخی تصنیف Polychronicon کی وجہ سے مشہور ومعروف رہا ہے۔اس کے مطابق ''یہودیت، کفر، الحاد اور اسلام راہ راست سے منحرف ہیں۔اسلام کی گم راہی نے افریقہ، اسپین اور دنیا کے دوسرے حصوں کو مہلک وبا کی طرح آلودہ کر دیا تھا۔وہ نبی اکرم ﷺ کو جھوٹا کہتا ہے۔ اسلام نامی بدعت کے گھڑنے کی خفیہ سازش میں Sergius نے راز دارانہ طور پر آپ ﷺ کی مدد کی۔ اپنے تجارتی اسفار کے دوران میں آپؐ نے یہود ونصاریٰ کے رسوم ورواج اور اناجیل اربعہ کا علم حاصل کیا۔'' ۳۴؎ عرب اور باشندگانِ جزیرۃ العرب کے حوالے سے گفتگو کے پس منظر میں Higden نے آپؐ اور ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ پر بھی کلام کیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ آپؐ نے ام المؤمنین سے اپنی قوت ساحری کے زور پر شادی کی تھی۔ ۳۵؎ حضرت خدیجہؓ قریش کی ایک مال دار بیوہ تھیں۔آپؐ کی نظر ان کے مال پر تھی۔ Lydgate نے حضرت خدیجہؓ کو Cardigan اور Higden نے Cadigan نامی

ملکہ کا نام دیا ہے، جو کہ Corozan اور Higden کے مطابق Corosania کی سلطنت کی فرماں روا ہے۔ محمد ﷺ نے (نعوذ باللہ) کالا جادو، چاپلوسی اور خوشامد کے ذریعہ ملکہ کا دل اس قدر جیت لیا کہ اس نے آپؐ کو عظیم ترین نبی حتی کہ مسیحؑ تصور کرلیا اور آپؐ سے شادی کی خواہش مند ہوگئی۔ ۳۶؎ اپنے اسی سحر سے آپؐ نے بہت سے عرب و غیر عرب افراد کو اپنا گرویدہ بنا لیا اور انھیں اپنی عبادت کی دعوت دی۔ Higden نے آپؐ سے متعلق بعض من گھڑت قصوں پر بحث کی ہے۔ ان میں سے ایک قصہ آپؐ کے خود ساختہ دعوائے معجزات کا ہے (جیسا کہ Higden کا خیال ہے) وہ یہ کہ آپؐ نے ایک جانور (جوان گدھا، گائے، بیل یا اونٹ) کو تربیت دے رکھی تھی جو صرف آپؐ کے مبارک ہاتھوں سے ہی کھاتا تھا۔ ۳۷؎ یہی عمل لوگوں کو آپؐ کی رسالت پر ایمان لانے کا سبب بنتا تھا۔ اسی وجہ سے آپؐ کی پیش کردہ کتاب کو لوگ منزل من اللہ تسلیم کرتے۔ ''ان اسلام دشمنوں کے مطابق اس کی تفصیل یہ ہے کہ قرآن اس جانور کی گردن میں لٹکا ہوتا تھا، یا اس کی سینگوں میں بندھا ہوتا تھا، جب آپؐ دعوت و تبلیغ اور وعظ و ارشاد کا فریضہ انجام دیتے تو یہ جانور آپؐ کے پاس آجاتا، آپؐ کتاب لے لیتے اور اعلان کرتے کہ یہ وحی الٰہی ہے، جس کو فرشتوں کے ہاتھوں لکھا گیا ہے۔ Higden کی روایت میں، جو قدرے تفصیل سے ہے، اس جانور کی بصراحت اونٹ نشان دہی کی گئی ہے۔ ۳۸؎ اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہتا ہے: ''دین محمد ﷺ باطل ہے۔ شریعت کی آڑ میں وہ انسانوں کو گم راہ کرتا ہے۔ شریعتِ اسلامیہ میں تعدّد ازواج اور جنسی تلذّذ مباح ہے۔ ''اس (Mahomet) نے حکم صادر کر دیا کہ ایک شخص اپنے مویشیوں کے ساتھ جتنی زیادہ داشتاؤں اور بیویوں کی کفالت کرسکتا ہے اسے اتنی زیادہ داشتائیں اور بیویاں رکھنی چاہیے۔ ۳۹؎ Mahomet ایک بت پرست تھا جس نے خصوصی طور سے خود کو Venus کی عبادت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اسی وجہ سے Saraceyns جمعہ کو مقدس مانتے ہیں۔ محمد (ﷺ) اپنے متبعین کو تقدیسِ جمعہ کی دعوت دیتا ہے۔ جمعہ وہ دن ہے جس میں رومیوں کے

جنس اور محبت کے دیوتا وینس (Venus) کا آسمان میں ظہور ہوتا ہے''۔۴۰؎

Jocobus De Voragine کی کتاب Legnda Aurea (1265) اور Higden کی Polychronicon میں کافی باتیں مشترک ہیں۔ Legnda Aurea کے ۱۷۷ویں باب میں آپؐ کا بیان ملتا ہے، جس میں آپؐ کو مسلمہ عیسائی اولیاء کے بالکل مخالف گناہوں کا مجسّم بتایا گیا ہے۔۱۴۹۶ء میں پہلی بار چھپنے والی John Mandeville کی کتاب Voyage And Travail of Sir John Mandeville کے مختلف زبانوں میں تین سو قلمی مسودے دست یاب ہیں۔ صرف اناجیل ہی کے اس سے زیادہ مسودے ملتے ہیں۔ پروفیسر عبدالرحیم قدوائی کے مطابق یہ پیغمبر اسلام ﷺ کی سب سے زیادہ وسیع پیمانہ پر پڑھی جانے والی سوانح ہے۔ اس میں تفصیل سے آپؐ کی جنت کی شہوتوں کا بیان ہوا ہے۔عیسائی روحانیت کی مخالفت کے طور پر آپؐ کی شخصیت کے جنسی پہلوؤں پر زور بیاں صرف کیا گیا ہے۔ Dimmock کے بقول'' Mandeville کی سوانح بھی بڑی حد تک Higden کی Voragine,Polychronicon کی Legnda Aurea اور Lydgate کی The Fall of Princes سے اتفاق کرتی ہے۔ سب کے یہاں تقریباً ایک جیسی ہفوات بیان کی گئی ہیں۔''۴۱؎

انگریزی ادب کی تاریخ اس درمیانی دور کے آخری ایام میں تحریکِ اصلاح دین میں نئی جان آ گئی۔ تبلیغ مسیحیت کے مراکز کی سرگرمیوں میں جوش و امنگ کی لہر دوڑ گئی۔ عہد نامۂ قدیم و جدید پر مبنی ڈراموں کی پیش کش کی تحریک میں اضافہ ہوا اور Morality,Miracle اور Mystery ڈراموں کی نشر و اشاعت نے زور پکڑا۔ ان ڈراموں کو اعلیٰ ادبی اسلوب میں لکھا اور پیش کیا جاتا تھا۔ تھیٹر میں آنے والے ناظرین کو انجیل کے مطابق امور دنیا کی تعلیم دینے اور دین مسیحیت کا دیگر ادیان و مذاہب سے مقارنہ و موازنہ کرنے کے لیے پیش کیا جاتا تھا۔ ان میں اس پہلو پر زور دیا جاتا تھا کہ

نصرانیت ہی رب کائنات تک پہنچنے کا واحد صحیح طریقہ پیش کرتا ہے۔ زندگی کے مصائب اور کثرت گناہ سے گلوخلاصی کے لیے مسیحیت ہی ایک سیدھا سچا راستہ ہے۔ یہ ڈرامے فکر تجسیم، تصلیب، بعث بعد الموت، باپ، بیٹا اور روح القدس (عقیدہ تثلیث) کے نمائندہ ہوتے تھے۔

ان ڈراموں میں ہابیل وقابیل کا موضوع بھی ہوتا تھا۔ ہابیل حضرت مسیحؑ کی طرح خیر تو قابیل یہودیوں کے شر وفتنہ پردازی، مکروفریب اور خباثت کا نمائندہ ہوتا تھا۔ ان ڈراموں میں جو حصہ اسلام سے مخصوص ہوتا تھا وہ سب جھوٹ، من گھڑت اور حقیقت سے کوسوں دور ہوتا تھا۔

حواشی ومراجع

1- Southern,R.W. Western views of Islam in the Middle Ages, P.8-9

2- Kidwai, A.R.- The Crescent and The cross, 1997, P. 2-3

۳۔ وزّان، عدنان محمد عبدالعزیز، صورۃ الاسلام فی الادب الانجلیزی، ط۔ا، دار اشبیلیا، ریاض، ج اول، ص ۲۸۳

4- Tilak, Raghukul, History of English literature,Rajhans Prakashan Mandir,Meerut-P-12

5- Legouis,Emile.A Short History of English Literature, Calcatta, 1983,P.34

6- Long. W.J, English literature ,A.I.T.B.S.publishers & distributors, Delhi, 2002,P. 80

7- Hudson,W.H.An outline History of English lietrature.London,1939, P.31

8- Albeort, Edward,History of English literature.P.39

9- Hudson,W.H.An outline History of English lietrature. London,1939,P.30

10- Tilak, Raghukul, History of English literature,-P-07

11- Long. W.J, English literature ,P. 78

12- Kidwai, A.R.- The Crescent and The cross, 1997, P. 7-8

۱۳- (I) وزّان، عدنان محمد عبد العزیز، صورۃ الاسلام فی الادب الانجلیزی، ط۔ا، دار اشبیلیا، ریاض، ج اول، ص ۸۹۔ ۲۸۸

(II) Smith, Byron Porter, Islam in English literature, P-XXII

(III) AL-Olaqi , P -48

(IV) Kidwai, A.R. Images of the Prophet Muhammad(Pbuh) in the English Literature, Peter Lang, New Yark, 2018, P-41

14- Smith, Byron Porter, Islam in English literature, P-XXII

15- Kidwai, A.R. Images of the Prophet Muhammad(Pbuh) in the English Literature, P-41-42

۱۶۔ وزّان، عدنان محمد عبد العزیز، صورۃ الاسلام فی الادب الانجلیزی، ط۔ا، دار اشبیلیا، ریاض، ج اول، ص ۲۹۴

17- Kidwai, A.R. Images of the Prophet Muhammad(Pbuh) in the English Literature, P-41

18- Ibid, P-43

19- Tilak, Raghukul, History of English literature, Rajhans Prakashan Mandir , Meerut-P-21

20- Smith, Byron Porter, Islam in English literature, P-15

21- ایضاً (II) Ibid- P.16

22- (I)Kidwai, A.R.- The Crescent and The cross, 1997, P. 8, AL-Olaqi , P -47

23- Kidwai, A.R. Images of the Prophet Muhammad(Pbuh) in the English Literature, P-43.

24- Ibid 47

25- AL-Olaqi , P -47

26- Kidwai, A.R. Images of the Prophet Muhammad(Pbuh) in the English Literature, P-46

27- Smith, Byron Porter, Islam in English literature, P-6

28- Idid, P- 14

(II) Kidwai, A.R. Images of the Prophet Muhammad(Pbuh) in the English Literature, Peter Lang, New Yark, 2018, P-45

(III) Smith, Byron Porter, Islam in English literature, P-14

29- (I)Smith, Byron Porter, Islam in English literature, P-XXIV,9

(II) وزّان، عدنان محمد عبدالعزیز، صورۃ الاسلام فی الادب الانجلیزی، ط۔ا، دار اشبیلیا، ریاض، ج اول، ص ۳۰۲

30- Smith, Byron Porter, Islam in English literature,P-9

31- Kidwai, A.R. Images of the Prophet Muhammad(Pbuh) in the English Literature, P-47

32- AL-Olaqi, P -49

(III) Kidwai, A.R. Images of the Prophet Muhammad(Pbuh) in the English Literature, P-49

33- AL-Olaqi, P -45-46

34- Kidwai, A.R. Images of the Prophet Muhammad(Pbuh) in the English Literature, P-19

(I)-۳۵ وزّان، عدنان محمد عبدالعزیز، صورۃ الاسلام فی الادب الانجلیزی، ط۔ا، دار اشبیلیا، ریاض، ج اول، ص ۳۰۴۔۵

(II) Smith, Byron Porter, Islam in English literature,P-5

36- (I)Kidwai, A.R. Images of the Prophet Muhammad(Pbuh) in the English Literature, P-44

37- Smith, Byron Porter, Islam in English literature,P-7, Kidwai, A.R. Images of the Prophet Muhammad(Pbuh) in the English Literature, P-14

38- (I)Smith, Byron Porter, Islam in English literature,P-7

(II) Kidwai, A.R. Images of the Prophet Muhammad(Pbuh) in the English Literature P-14,20

(I)-۳۹ وزّان، عدنان محمد عبدالعزیز، صورۃ الاسلام فی الادب الانجلیزی، ط۔ا، دار اشبیلیا، ریاض، ج اول، ص ۳۰۵

(II) Kidwai, A.R. Images of the Prophet Muhammad(Pbuh) in the English Literature, P-19

40- Ibid

41- Kidwai, A.R. Images of the Prophet Muhammad(Pbuh) in the English Literature, P-20

خاندان سے متعلق مغربی تصورات اور اسلام

مولانا محمد کمال اختر قاسمی

مغرب کا خاندانی نظام وہاں رائج قدیم تصورات سے ماخوذ ہے اور اس میں رومن، نیپولین، سویزن اور جرمن تہذیبوں کے خاندانی قوانین کے اجزا شامل ہیں۔ موجودہ یورپ میں رائج خاندانی امور سے متعلق قوانین ۱۸۰۴ء میں نیپولین کے مرتب کردہ قوانین، ۱۹۰۰ء میں جرمن میں رائج قوانین اور ۱۹۱۲ء میں سویزرلینڈ کے خاندانی قوانین سے ماخوذ ہیں۔

اس لیے یورپ کے قوانین کو مکمل طور پر رومن قوانین سے ماخوذ نہیں کہا جاسکتا، اس لیے کہ متعدد حالات میں مختلف افکار ونظریات کو اختیار کر کے ان قوانین کی تشکیل عمل میں آئی ہے، البتہ نظام خاندان سے متعلق جدید مغربی قوانین میں رومن قانون کو بنیادی درجہ حاصل ہے، کیوں کہ اس کو بنیاد بنا کر دیگر قوانین سے استفادہ کیا گیا ہے۔[۱]

انقلاب فرانس

انقلابِ فرانس نے مغرب کی معاشرتی زندگی میں زبردست تبدیلی پیدا کی۔ اسی دور میں روشن خیالی کی تحریک کو ترقی ملی۔ اس عہد میں تحریکِ اصلاح مذہب (Reformation)، انقلاب فرانس اور انگلستان میں صنعتی انقلاب نے بہت کچھ بدل کر رکھ دیا۔ صنعتی انقلاب کی وجہ سے کارخانوں، دفاتر اور دیگر میدانوں میں ملازمین کی طلب میں شدید اضافہ ہوا۔ اس کے لیے عورتوں کو ترجیح دی گئی، تا کہ یکسوئی سے کام ہو۔ خواتین کارکنوں کی تعداد اس قدر بڑھ گئی کہ خاندانی نظام پر ناقابل برداشت منفی اثرات مرتب ہونے لگے۔ دوسری طرف مرد ملازمین کے لیے آسامیوں کی قلّت اتنی بڑھی کہ پورے

مغرب کے لیے بہت بڑا مسئلہ پیدا ہوگیا، یہاں تک کہ خواتین کی ملازمت کو محدود کرنے کے لئے منظم تحریکیں چلانی پڑیں۔ ہیلن ہیکر (Helan Hacker) عورتوں کی کثرت سے ملازمت کے خلاف مردوں کے شدید ردِّعمل کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتی ہے:

> ''مردوں نے جلد ہی عورتوں کو اپنے لیے خطرہ سمجھا اور تمام معاشی، قانونی اور نظریاتی ہتھیار استعمال کیے، تاکہ ان کے مقابلے کو کم کیا جاسکے۔ انہوں نے عورتوں کو ٹریڈ یونینوں سے خارج کرایا، مالکوں سے رابطہ کرکے ان کو ملازمت دینے سے روکا، ایسے قوانین منظور کروائے جو شادی شدہ عورتوں کی ملازمت کو محدود کریں اور مہم چلائی کہ عورت گھر کی طرف لوٹ جائے اور وہیں محدود رہے''۔۲؎

ان تحریکات اور مرد ملازمین اور سماجی مصلحین کے شدید دباؤ کی وجہ سے ۱۸۴۱ء سے لے کر پہلی جنگ عظیم ۱۹۱۴ء تک عورتوں کی ملازمتیں بہت محدود ہوگئیں، بلکہ ان کو ختم کرنے کے مطالبات شدت کے ساتھ اٹھنے لگے، جس کا نتیجہ ہوا کہ Mines Act کے تحت کانوں اور مشکل مواقع پر عورتوں کی ملازمت مکمل طور پر بند کردی گئی۔ صنعتی انقلاب اور سائنسی فکر کے فروغ کی وجہ سے مغربی معاشرے میں انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئیں، جن کے نتیجے میں خاندان اور معاشرے کو مافوق الفطرت تصورات کے بجائے خالص انسانی حوالے سے دیکھا جانے لگا۔ یہ سب مسیحیت کی مذہبی روایات کے خلاف بغاوت تھی، جس کا علمی، سائنسی، سیاسی، سماجی، غرض کہ زندگی کے تمام میدانوں پر گہرا اثر پڑا۔ عورتوں اور مردوں کے اختلاط کی وجہ سے باہمی رقابتیں بڑھیں، عورتوں کی معاشی خود مختاری کی وجہ سے اپنی ضروریات کی تکمیل میں مرد کا احتیاج ختم ہوا۔ ادھر نسائی تحریک نے خاندان سے بغاوت کے لیے ایندھن کا کام کیا، یہاں تک کہ گھر، خاندان، اولاد کی پرورش اور امورِ خانہ داری کی ذمہ داریوں کو بوجھ سمجھ کر اتار پھینکنے کے جذبات پیدا ہونے لگے۔ خواتین اجتماعی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر شریک ہونے لگیں، کارخانوں اور دفاتر کی ملازمت، آزاد تجارتی سرگرمیاں اور رقص وکلب کی محفلوں میں آزادانہ شرکت خواتین کی زندگی کا حصہ بن گئی۔ ان وجوہ سے خواتین مذہبی اور اخلاقی سرحدوں کو نہ صرف یہ کہ عبور کر گئیں، بلکہ ان کی باغی ہوگئیں، یہاں تک کہ نکاح کے بندھن کو گلے سے اتار کر

آزادانہ جنسی روابط کو ترجیح دینے لگیں۔

صنعتی انقلاب نے زرعی روایتی اور دیہی معاشرہ کو سبوتاژ کر کے شہری معاشرہ میں تبدیل کر دیا، کیوں کہ اُس میں افراد خاندان مل کر زراعت کے امور انجام دیتے تھے، اس اعتبار سے وسیع خاندان معاشی اثاثہ کے طور پر اختیار کیے جاتے تھے۔ ان تبدیلیوں کے خاندانی نظام پر مرتب ہونے والے اثرات کا تجزیہ کرتے ہوئے او کلے لکھتا ہے :

> ''صنعتی انقلاب کے بعد معاشی تگ و دو اور کسبِ معاش کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہوگئی۔ ہر فرد معاشی انفرادیت میں گرفتار ہو کر زندگی گزارنے لگا، جس سے وہ خود مختار ہونے کے ساتھ دوسرے فرد کی ضرورت و اہمیت اور دوسروں پر معمولی خرچ کی سوچ کا مخالف بن گیا، اس لیے وہ اپنی کمائی اپنی ذات کے علاوہ کسی دوسرے پر خرچ کرنے کو ضیاع اور بربادی تصور کرنے لگا۔ چنانچہ لوگ خانگی ذمہ داریوں کو بوجھ سمجھ کر اپنے کندھوں سے اتار پھینکنے کے لیے آمادہ ہوگئے۔ معاشی انفرادیت کے تصور میں جوں جوں اضافہ ہوتا گیا اسی اعتبار سے خاندان کم سے کم افراد کا مجموعہ بنتا چلا گیا۔ بیوی کو شریک حیات کے بجائے پارٹنر یعنی شریکِ کار مانا جانے لگا، شادیاں ناکام ہونے لگیں اور طلاق کی شرح میں تیزی سے اضافہ ہوتا چلا گیا، بچے منفی نفسیاتی اثرات کا شکار ہونے لگے، اکیلی ماؤں (Single Mothers) کی کثرت ہوگئی، بے راہ روی عام ہوگئی اور نوخیزی کے حمل (Teen age pranancy) میں بہت زیادہ اضافہ ہونے لگا، اولاد کی تربیت کے لیے جدید تعلیمی ادارے کھل گئے ، بزرگوں کی نگہ داشت کے لیے ریاستوں نے پینشن یا الگ سکونت کا انتظام کر دیا اور مرد و زن آزاد زندگی گزارنے لگے۔ اس طرح نظام خاندان رفتہ رفتہ منتشر ہو کر رہ گیا۔ ۳؎

دو عظیم جنگیں اور خاندان پر ان کے اثرات

جنگ عظیم اول (۲۸ رجون ۱۹۱۴ء تا ۱۱ رنومبر ۱۹۱۸ء) تاریخ کی خوف ناک جنگ ہے، جس میں دنیا کو بھیانک اور ناقابل تصور تباہ کاریوں کا سامنا کرنا پڑا۔

اس میں راست طور پر مغربی ممالک شامل تھے، لیکن ان کے اثرات پوری دنیا پر پڑے۔ اس جنگ میں تقریباً ایک کروڑ فوجی ہلاک اور لگ بھگ ۲۱ ملین افراد زخمی ہوئے۔ ہلاک ہونے والے غیر فوجی افراد کی تعداد ایک کروڑ ۳۰ لاکھ بتائی جاتی ہے، جائیداد اور صنعتوں کی تباہی کا اندازہ کرنا مشکل تھا۔ تقریباً ایک کروڑ افراد غربت بھوک اور بیماری میں تڑپ تڑپ کر موت کے گھاٹ اتر گئے۔ اس کے کچھ عرصہ کے بعد دوسری جنگ عظیم دنیا پر تھوپی گئی، جس میں ۶۱ ممالک نے شرکت کی، جن کی مجموعی آبادی پوری دنیا کی آبادی کا ۸۰ فی صد تھی۔ اس جنگ میں پانچ کروڑ سے زائد لوگ ہلاک ہوئے، لاکھوں شہر، قصبے اور گاؤں تباہ ہو گئے اور جنگ میں شریک ممالک براہ راست اور پوری دنیا بالواسطہ خوف ناک معاشی بحرانوں کی شکار ہو گئی، کساد بازاری کی لہر نے عوام کے معاشی ڈھانچے کو بالکلیہ تباہ کر دیا۔ ۴

مغرب کے نظام خاندان پر ان جنگوں کے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ مردوں کی بڑی تعداد ان کی بھینٹ چڑھ گئی، جس سے معاشرے میں بہت سے مسائل پیدا ہوئے۔ لاتعداد خواتین بیوہ اور مفلوک الحال ہو گئیں، مردوں کی زبردست ہلاکتوں نے معاشرے کی ضروریات کی تکمیل کی بڑی ذمہ داری عورتوں کے کندھوں پر ڈال دی۔ خواتین میں زیادہ تر ایسی باقی رہ گئی تھیں جن کی کفالت اور سماجی ضروریات کے لیے کوئی مرد باقی نہیں رہا۔ نیز مردوں کی بڑی تعداد شدید زخمی ہو کر مفلوج ہو گئی، جن کی ذمہ داری بھی انہی کے سر آ گئی۔ اس کے لیے عورتوں کو مجبوراً معاشی دھارے میں شامل ہونا پڑا۔ ۵

اس سے قبل وہ قدیم روایتی خاندان میں زندگی بسر کرتی تھیں اور مردوں کی طرف سے ظلم و زیادتی کا شکار رہتی تھیں۔ جب آزادانہ معاشی خود مختاری کے ماحول میں آئیں تو یہاں انہیں اپنا مستقبل کافی مستحکم نظر آیا۔ لیکن اس وقت کے روایتی ماحول نے اس کی سخت مخالفت کی اور انہیں اپنے گھروں میں لوٹنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اسی اثنا میں یورپ کے متعدد ممالک میں حقوقِ نسواں کی تحریک کا آغاز ہوا، چنانچہ فروری ۱۹۱۸ء میں پہلی مرتبہ انہوں نے ووٹ دینے اور اپنے پسند کی حکومت کو منتخب کرنے کا اختیار حاصل کیا۔ ۶ حقوق نسواں کے مطالبے کی کوششیں تیز ہونے لگیں اور باضابطہ خواتین حقوق کمیشن کا قیام

عمل میں آیا۔ حقوق نسواں کے تحفظ میں اس قدر مبالغہ آرائی کی گئی کہ صنفی مساوات اور جنسی آزادی کی صدائیں گونجنے لگیں۔ دنیا کے بیش تر ممالک میں صنفی مساوات کے قوانین تشکیل دیے گئے۔ عورتیں معاشی طور پر خود کفیل ہونے لگیں اور حکومتوں کی طرف سے ان کو بہت سے حقوق و سہولیات حاصل ہوئیں، ۱۹۷۵ء میں sex discrimination act کو منظوری ملی، جس میں ملازمت کے لیے جنس کی بنیاد پر تفریق کو غیر قانونی قرار دیا گیا۔ اسی طرح ۱۹۶۱ء سے ۱۹۸۱ء کے دوران ملازم عورتوں کی تعداد ۲۰۷ لاکھ ہوگئی، جب کہ کام کرنے والے مردوں میں دو لاکھ کی کمی آ گئی۔ ۱۹۸۴ء میں Aqual pay Act کا نفاذ عمل میں آیا، جس کے تحت عورتوں کو مردوں کے مساوی تنخواہ دی جانے لگی۔

تحریکِ نسواں کے مطالبات

تحریکِ نسواں بنیادی طور پر عورتوں کے ساتھ معاشرہ اور خاندان میں ہونے والے مظالم کے خلاف ایسی صدا تھی جو یورپ، امریکہ اور دیگر مغربی ممالک میں سنی گئی اور آگے چل کر پوری دنیا میں اس کے مضبوط اثرات مرتب ہوئے۔ بنیادی طور پر فرانس میں ۱۸۹۰ء میں اس کا تصور عام ہوا۔ اس کی جدوجہد سے ووٹ دینے، حق ملکیت رکھنے اور آزادانہ کاروبار جیسے امور میں عورتوں کے حقوق کو قانونی طور پر تسلیم کیا گیا۔ ۱۹۶۰ کی دہائی میں اس تحریک نے حقوقِ نسواں کے مطالبے سے اوپر اٹھ کر مکمل آزادی کی مضبوط آواز اٹھائی۔ بچوں کی پیدائش اور پرورش کی ذمہ داریوں سے سبک دوشی، شادی کی دائمی بندش سے آزادی، آزاد جنسی روابط پر لگی پابندی کو ہٹانا اور خاندانی ذمہ داریوں سے آزادی کے مطالبات میں شدت آئی اور ان تمام مطالبات کو تسلیم بھی کرالیا گیا۔ اس تحریک کے خاص طور پر تین اہم ترین اہداف تھے:

(۱) صنفی مساوات پر مبنی معاشرہ کا قیام: جس کا خلاصہ یہ تھا کہ عورت اور مرد دونوں مساوی صلاحیتوں کے مالک ہیں، اس لیے ایسے معاشرے کا قیام ضروری ہے جس میں دونوں کو تمام میدانوں میں برابر کا حق حاصل ہو۔

(۲) جنسی امتیازات کا خاتمہ: جس میں اس پہلو پر توجہ دی گئی کہ سماج میں

عورتوں کے ساتھ محض جنس کی وجہ سے امتیازی برتاؤ درست نہیں۔

(۳) مکمل علیٰحدگی : یعنی مرد عورت دونوں الگ الگ دائروں میں کام کریں۔عورت کو اپنی آزادی کے لیے مرد کی ضرورت باقی نہ رہے۔

خاندان پر تحریکِ نسواں کے اثرات

نسائی تحریک کے علم برداروں کا سب سے بڑا ہدفِ تنقید خاندان کا ادارہ ہے، کیوں کہ اس میں عورت، ماں اور گھریلو خاتون بن کر محدود ہوجاتی ہے، اس لیے ان کے نزدیک خاندان کے کردار کو ختم کردینا ضروری ہے۔ چنانچہ مغربی ممالک میں خاندان تشویش ناک حد تک منتشر ہو چکا ہے، 'سکنڈے نیویا' کے ممالک، جہاں سیاست اور ملازمت میں عورتوں کا تناسب پوری دنیا کے مقابلے میں زیادہ ہے، وہاں خاندانی اَقدار کی تباہی نے انہیں پریشان کر رکھا ہے۔ وہاں عورتیں گھر کو 'جہنم' سمجھتی ہیں، ماں بننے سے گریز کرتیں اور بچوں کی نگہداشت پر توجہ نہیں دیتی ہیں۔انہیں گھر سے باہر کی زندگی کا ایسا چسکا لگ گیا ہے کہ وہ گھریلو زندگی کو اَپنانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔لندن سے شائع ہونے والے ہفت روزہ 'اکانومسٹ' نے Survey of Nordic Countries A کے عنوان سے سکنڈے نیویا کے پانچ ممالک: ناروے، سویڈن، ڈنمارک، فن لینڈ اور آئس لینڈ کے متعلق ایک تفصیلی جائزہ شائع کیا ہے۔اس میں ناروے کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہاں کی حکومت جوان لڑکیوں کو 'ماں' کی ترغیب دینے اور بچوں کی دیکھ بھال کرنے کے لیے مالی فوائد (Incentives) بہم پہنچانے کے لیے پارلیمنٹ میں قانون پیش کرچکی ہے۔ اس قانون کا بنیادی مقصد اِن عورتوں کو گھر میں بیٹھنے کی ترغیب اور حوصلہ افزائی بتایا گیا ہے۔ے جنگ عظیم دوم کے بعد امریکہ میں زبردست تحریک شروع ہوئی کہ عورتوں کو کارخانوں اور دفتروں کی ملازمت سے نکال کر واپس امورِ خانہ داری کی طرف راغب کیا جائے۔ آج امریکہ کے سلیم الطبع دانش ور، جو مادر پدر آزاد نسل کے رویے سے بے حد پریشان ہیں، ان کا فلسفہ یہی ہے کہ گھر عورت کی جنت ہے، معاشرے کا اجتماعی سکون گھریلو ماحول کو پرسکون رکھے بغیر ممکن نہیں اور اس کے لیے عورت کا گھر پر رہنا ضروری ہے۔

سلویا این ہیولٹ (Sylvia Ann Hewlett) نے برطانیہ کی کیمبرج یونی ورسٹی اور امریکہ کی ہاروڈ یونی ورسٹی سے اعزاز کے ساتھ تعلیم حاصل کی ہے۔ وہ اکنامکس میں پی ایچ ڈی ہیں اور امریکہ کی اکنامک پالیسی کونسل کی ڈائریکٹر ہیں۔ عورتوں کی ملازمت کے حوالے سے پیش آمدہ مسائل ان کی دل چسپی کا خاص محور رہے ہیں۔ وہ عورتوں کے حقوق کی علم بردار تو ہیں، مگر تحریکِ آزادیِ نسواں کے نظریات سے اختلاف رکھتی ہیں، کیوں کہ اس تحریک نے عورتوں کے مسائل حل کرنے کی بجائے ان میں اضافہ کیا ہے۔ ہیولٹ نے ایک کتاب لکھی ہے، جس کا نام یہ ہے A: The Myth of Women's Liberation Lesser life یعنی 'حیاتِ کمتر عورتوں کی آزادی کا واہمہ'۔ اس کتاب کے ایک باب کا عنوان یہ ہے Ultra: Home: The return to Hearth and demesticity. یعنی 'بے تحاشا خانہ داری؛ گھر کی طرف مراجعت'۔ وہ ایک جگہ لکھتی ہیں:

> ''ریاست ہائے متحدہ کا منظر ڈرامائی طور پر مختلف تھا۔ ۱۹۵۰ء کی دہائی میں کالجوں سے فارغ التحصیل وہ نوجوان خواتین جو بچے پیدا کرنے کی عمر رکھتی تھیں، ان میں ملازمت کی شرح عورتوں کے کسی بھی دوسرے گروہ سے کم تھی۔ اس کی سادہ سی وجہ یہ تھی کہ کالجوں سے فارغ التحصیل عورتوں کی شادیاں اکثر خوش حال مردوں سے ہوجاتی تھیں۔ پچاس کے عشرے میں اگر خاندان اس بات کا متحمل ہوتا تو بیوی گھر ہی میں رہتی''۔ ۸

۱۹۴۵ء اور اس کے بعد امریکی عورتوں کے حالات لکھتے ہوئے بیان کرتی ہیں:

> ''۱۹۴۵ء میں امریکی عورتیں جتنی بااختیار تھیں، اس سے پہلے اتنی بااختیار کبھی نہ تھیں، مگر جنگِ عظیم دوم کے بعد کے برسوں میں ایک عجیب بات سامنے آئی۔ امریکہ، جو آزاد اور طاقت ور عورتوں کا گڑھ سمجھا جاتا تھا، اس پر خانہ داری کے جذبات عجیب طور پر حملہ آور ہوگئے۔ پھر یوں ہوا کہ لاکھوں عورتوں نے ایسا طرزِ زندگی اپنا لیا جو مکمل طور پر خاندان اور گھر پر مرکوز تھا''۔ ۹

ہیولٹ سوال کرتی ہیں کہ جنگِ عظیم کے بعد امریکی عورتیں بہترین تعلیم یافتہ

تھیں اور کسی بھی ترقی یافتہ معاشرے کی عورت کے برابر تھیں تو پھر انہوں نے اپنی آزادانہ خواہشات کو ترک کر کے گھریلو زندگی کو کیوں اپنایا؟ اس سوال کا جواب وہ خود ان الفاظ میں دیتی ہیں:

> ''اُمور خانہ داری کی طرف یہ زبردست رجحان نتیجہ تھا حکومت کی ان پالیسیوں کا جو اس نے جنگِ عظیم کے بعد اپنائیں۔ اس میں اہم ترین پالیسی عورتوں کے روایتی کردار کی زبردست حوصلہ افزائی تھی۔ معاشی حکمتِ عملی وضع کرنے والوں کے پیشِ نظر یہ بات تھی کہ عورتوں کو ترغیب دی جائے کہ جنگ کے دنوں میں انہوں نے جو کام اختیار کیے تھے، ان کو چھوڑ کر گھروں کی راہ لیں، تاکہ وہ مرد جو میدانِ جنگ سے واپس آئیں ان کے لیے روزگار مہیا ہو سکے۔ ۱۹۶۴ء تک چالیس لاکھ سے زیادہ عورتوں کو پیداواری اداروں کی ملازمت سے چھٹی کرا دی گئی''۔

امریکہ میں تحریکِ آزادیٔ نسواں کو آگے بڑھانے میں بیٹی فریڈن Betty Friedan کا نام بہت معروف ہے۔ ۱۹۵۷ء میں اس نے اپنی کلاس فیلوز کے حوالہ سے ایک تحقیقی سروے کیا کہ وہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد کیا کر رہی ہیں۔ ہیولٹ نے اس کا حوالے دیتے ہوئے اس کے سروے کے نتائج کو یوں بیان کیا ہے:

> ''۱۹۵۷ء میں بیٹی فرائڈن نے اپنی کتاب The Femine Mystique کے متعلق ریسرچ کرتے ہوئے اسمتھ کالج میں ۱۹۴۲ء میں پڑھنے والی اپنی کلاس فیلوز کے متعلق سروے کیا؟ وہ یہ جاننا چاہتی تھی کہ اس کی ہم جماعت لڑکیاں اب کیا کر رہی ہیں۔ اس نے دیکھا کہ یہ اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکیاں مکمل طور پر مائیں اور بیویاں بننے میں غرق تھیں۔ ۱۸۹ عورتوں میں سے، جنہوں نے سوال نامے واپس کیے، ۱۷۹ شادی شدہ، ۶ غیر شادی شدہ، ایک بیوہ اور تین طلاق یافتہ تھیں۔ صرف ۱۱ کے بچے نہ تھے۔ اوسطاً ہر عورت کے تین بچے تھے، ۵۴ عورتوں کے ۴ یا اس سے زائد بچے تھے۔ اسمتھ کالج کی ان گریجویٹ لڑکیوں کی اکثریت ہاؤس وائف تھی، حتیٰ کہ وہ عورتیں جن کے بچے

اسکول میں تھے، انہیں بھی باہر کے ماحول میں کم ہی دل چسپی تھی، ۱۸۹ میں سے صرف ۱۲ ایسی تھیں جو ہمہ وقتی ملازمت کرتی تھیں اور صرف ایک ہی خاتون ایسی تھی جو اپنی ملازمت کو بطورِ پیشہ اپنانے میں بے حد سنجیدہ تھی۔ چند ایک ایسی بھی تھیں جو جز وقتی کام کرتی تھیں"۔

ہیولٹ نے اپنے مضمون کا خاتمہ The Saturday Evening Post کے ۱۹۶۲ء میں شائع شدہ مضمون کی ان سطور پر کیا ہے:

"ایک عورت کو مکمل طور پر سکون کے حصول کے لیے ایک مرد کی ضرورت ہے، مگر اس کی زندگی کا بنیادی مقصد ماں کا کردار (ممتا) ہے"۔[۱۰]

مغرب میں خاندان کا خاتمہ اور اس کے اسباب

مغربی معاشرہ تعلیم، دولت اور مستحکم حکومتوں کے باوجود تہذیب و ثقافت کے باب میں ہمہ نوع خرابیوں کا شکار ہو کر لاتعداد قباحتوں اور ان گنت جرائم میں مبتلا ہو چکا ہے۔ وہاں کے تمام طبقات حقیقی سکون سے یکسر محروم ہو رہے ہیں، اس صورت حال کا سب سے بڑا سبب مغرب کے پیچیدہ اور غیر مستحکم نظریاتِ حیات ہیں، جن کی وجہ سے مغربی سماج کے اکثر طبقات میں خاندانی نظام کو غیر ضروری قید و بند تصور کیا جانے لگا اور منظم تحریکوں کے ذریعہ خاندانی نظام کی شدید مخالفت کی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج مغربی معاشرہ اور مغرب زدہ معاشروں میں خاندان پوری طرح شکست و ریخت کا شکار ہے۔ BBC کی ۲۰ ہزار افراد سے گفتگو کے بعد شائع شدہ ایک رپورٹ کے مطابق مغربی سماج میں صرف ایک چوتھائی گھرانے ایسے ہیں جہاں روایتی کنبے رہتے ہیں، باقی دو تہائی بغیر شادی کے اکٹھے رہتے ہیں، یا تنہا زندگی گزارتے ہیں۔[۱۱]

برطانوی سرکاری رپورٹ کے مطابق والدین کے ساتھ رہنے والے بچوں کی تعداد میں بہت زیادہ کمی آئی ہے اور والدین میں سے ایک کے ساتھ رہنے والے بچوں کی تعداد میں شدید اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ ۱۹۹۶ء میں یہ فی صد ۱۲ رتھی۔ رپورٹ بتاتی ہے کہ شادی کے بغیر بچوں کی شرح ۱۵ فی صد سے زیادہ تک پہنچ گئی ہے۔ امریکی خاندان کا بھی یہی حال ہے، ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ماں اور باپ پر مشتمل خاندان میں

آخر کے پانچ سالوں میں بے انتہا کمی آ گئی ہے، چار امریکی خاندان میں سے صرف ایک ہی خاندان ایسا ہے جو ماں اور باپ دونوں پر مشتمل ہے، جو ایک گھر میں رہتے ہوں، اعداد وشمار کے مطابق ماں اور باپ پر مشتمل خاندان ۱۹۷۰ میں ۴۰ فی صد تھے، ۱۹۹۰ء میں ۲۶ اعشاریہ ۳ فی صد اور ۱۹۹۵ء میں ۲۲/اعشاریہ ۵ فیصد اور ۱۷ فیصد ہو گیا ہے۔ مغربی خاندان کا گہرا مطالعہ کرنے والے عرب مصنف، جنہوں نے امریکا، فرانس اور جرمنی میں اپنی زندگی کا بیش ترحصہ گزارا ہے، اپنی کتاب 'امریکہ الیتیمۃ' میں لکھتے ہیں:

اللیلۃ سینام اربعون فی المائۃ من أطفال أمریکا بعیداً عن المنازل التی یعیش فیھا آبائھم ۱۲۔

''سو امریکی بچوں میں سے چالیس بچے اپنے ان گھروں سے دور رات گزارتے ہیں جہاں ان کے والدین رہتے ہیں۔''

اپنے والدین کے ساتھ رہنے والے بچوں کی تعداد ۱۹۶۰ء میں ۸۲/اعشاریہ ۴ فی صد تھی، اب گھٹ کر ۶۱/اعشاریہ ۷ فی صد ہو گئی ہے۔ اسی طرح اپنے والدین سے دور رہنے والے بچوں کی تعداد ۱۹۶۰ء میں ۱۷/اعشاریہ ۵ فی صد تھی جو اب بڑھ کر ۴۰ فی صد ہو گئی ہے۔ برطانیہ میں پانچ ہزار خاندان بغیر باپ کے ہیں اور یہاں ہر سال دس ہزار یتیم اور لاوارث بچے Adopt کیے جاتے ہیں، جن کے والدین کا پتہ نہیں ہوتا۔ ۱۳

ہم جنسیت پر مبنی شادی

خاندان کی تباہی میں دیگر اسباب کے علاوہ ہم جنسیت پر مبنی کی شادی کا اہم کردار ہے۔ ایک طرف رسمی شادی کا گراف تیزی سے گرتا جا رہا ہے وہیں دوسری طرف ہم جنسوں کے درمیان کی شادی کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے، بلکہ بہت سے ممالک میں اس کو قانونی درجہ دے دیا گیا ہے۔ چنانچہ حکومت اونٹاریہ (Ontaria) کو وہاں کی سپریم کورٹ نے ہدایت دی کہ چھ ماہ کے اندر تمام ریاستوں میں خاندان کے متعلق قانون میں ترمیم کر کے ہم جنسوں کے درمیان کی شادی کو بھی قانونی درجہ دیا جائے اور ان کے لیے وہ تمام حقوق تسلیم کیے جائیں جو مخالف جنسوں کے جوڑے کو حاصل ہوتے ہیں۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ۱۹۹۶ء میں Defence of marriage (DOMA) act کے تحت ہم جنسیت پر مبنی شادی کو غیر قانونی قرار دیا گیا تھا، لیکن ۲۰۱۳ء میں وہاں کی سپریم کورٹ نے بنیادی حقوق اور مساوات کا حوالہ دیتے ہوئے اسے قانونی درجہ دے دیا۔ ۱۴؎

رشتۂ ازدواج کے رجحان میں شدید کمی

خاندان کی اہم بنیاد رشتۂ ازدواج ہے۔ صنعتی انقلاب کے بعد بے محابا کثرتِ اختلاط، عریانیت، بے حیائی اور معاشی اور استقلال کے ساتھ مغربی معاشرہ میں انفرادیت خوف ناک حد تک سرایت کر چکی ہے، جس کی وجہ سے وہاں رشتۂ ازدواج کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی جا رہی ہے۔ برطانیہ کی نیشنل وومنز کونسل کی ایک خاتون رکن کہتی ہے:

> ''مغربی معاشرہ میں یہ خیال مضبوط ہوتا جا رہا ہے کہ شادی کر کے شوہر کی خدمت کے جھمیلے میں کیوں پڑا جائے، بس پر لطف زندگی کو تعیش کے ساتھ گزارا جائے۔ بہت سی خواتین اب یہ فیصلہ کر چکی ہیں کہ ان کی بقا کے لیے مردوں کے سہارے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے''۔ ۱۵؎

موجودہ حالات میں ازدواجی زندگی کے لیے کئی اسباب سے مشکلات پیدا ہوگئی ہیں۔ شادی کے خلاف تحریکات نے شادی کو جابرانہ اور جاہلانہ قید و بند بتا کر شادی سے بے رغبتی یا کم از کم اس کے غیر ضروری ہونے کے تصور کو عام کر دیا ہے۔ اسی وجہ سے مغربی ممالک میں شادی سے باہر ریلیشن شپ اختیار کرنے کے رجحانات میں بہت اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ حکومت کی طرف سے ریلیشن شپ میں رہنے والے جوڑوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے بہت سے اقدامات کیے جاتے ہیں، جس کی وجہ سے شادی سے بے توجہی اور لیوان ریلیشن شپ کی طرف رغبت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ برطانیہ کے سرکاری اعداد و شمار جمع کرنے والے ادارے نے شادی کے ساتھ رہنے والے جوڑے اور شادی کے بغیر ساتھ رہنے والے جوڑوں کی تعداد پر مشتمل ۱۹۹۶ء سے لے کر ۲۰۱۸ء تک کی سالانہ تفصیلات شائع کیں، جن میں واضح کیا گیا کہ کہ مخالف جنس اور موافق

جنس جوڑوں کا شادی کے بغیر ساتھ رہنے کے رجحان میں شدید اضافہ ہوا ہے۔ ۱۹۹۶ء اور ۲۰۱۷ء کے درمیان میں مخالف جنس یعنی مرد عورت کا شادی کے بغیر ساتھ رہنے میں دوگنا سے زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ ۱۹۹۶ء میں برطانیہ کے اندر ایسے جوڑوں کی تعداد ایک اعشاریہ ۵ ملین تھی، جو شادی شدہ جوڑوں کے مقابلے میں ۱۰/ فی صد ہے، جب کہ ۲۰۱۷ء میں یہ تعداد بڑھ کر ۳/اعشاریہ ۲ ملین تک پہنچ گئی تھی، جو کل شادی شدہ جوڑوں کے مقابلے میں ۲۰/فی صد ہے۔[۱۴]

لیو اِن ریلیشن شپ کا فروغ

مغربی معاشرہ جہاں ایک طرف رشتۂ ازدواج کو قید و بند سمجھ کر ختم کر رہا ہے، وہیں Live in Relation اور ہم جنس پرستی کو تیزی سے بڑھاوا دے رہا ہے، بلکہ دونوں کو رشتۂ ازدواج کی جگہ اختیار کرلیا گیا ہے۔

لیو اِن ریلیشن شپ مغربی ممالک میں قانونی طور پر منظور شدہ ہے۔ اس میں شادی شدہ جوڑوں سے قدرے مختلف اصول وضوابط کے ساتھ ایک دوسرے کے حقوق متعین ہیں ،جن کی پابندی دونوں پر ضروری ہے۔غیر شادی شدہ جوڑوں کے لیے ایک دوسرے کی پراپرٹی میں کوئی حصہ نہیں ہوتا، جب تک ریلیشن قائم ہے، انہیں ایک دوسرے کی ملکیت سے استفادہ کا پورا حق حاصل ہوتا ہے۔ اگر یہ ریلیشن ختم ہوجائے تو ایک دوسرے کی پراپرٹی میں سے حصہ نہیں دیا جاتا، یا کوئی پراپرٹی ایسی خریدی گئی جس میں ایک دوسرے کے لیے کوئی حصہ نامزد کیا گیا ہے تو کورٹ ان کے حصے تقسیم کر کے ایک دوسرے کو حوالہ کرتی ہے۔[۱۷] سول شادی کے ذریعہ مشترکہ رہائش اختیار کی جائے یا شادی کے بغیر لیو ان ریلیشن شپ کے طور پر رہ رہے ہوں، دونوں صورت میں رہائش کے انتظام کی ذمہ داری مرد کی ہوتی ہے۔ اگر دونوں کے پاس آمدنی کا ذریعہ ہو تو یہ ذمے داری آمدنی کے مطابق دونوں پر عائد ہوتی ہے۔ مغربی ممالک :برطانیہ ،فرانس، جرمنی وغیرہ میں کرایہ کی رہائش کے متعلق قانون یہ ہے کہ اگر کوئی مکان قانونی

دستاویز کے ذریعے کرایہ پر لیا گیا ہوا اور مکمل قبضہ ہو یا ۱۵ جنوری ۱۹۸۹ء سے پہلے کرایہ پہ کوئی مکان لیا گیا ہو تو ۱۹۷۷ء رینٹ ایکٹ کے مطابق اسی کرایہ دار کو ریگولر کر دیا جاتا ہے۔ سول میرج والے پارٹنر یا میاں بیوی اگر کرایہ دار کی وفات کے وقت کرایہ دار کے ساتھ موجود رہیں تو اسی کے حق میں ریگولیٹ کر دیا جاتا ہے۔ ۱۸؎

طلاق کی کثرت

مغربی معاشرہ میں مرد اور عورت کے درمیان تعلقات کو محض جنسی نقطۂ نظر سے اختیار کرنے کے نتیجے میں نکاح کی اہمیت وضرورت کو تیزی سے ختم کیا جارہا ہے اور نوجوان نسل کی اکثریت نکاح جیسے دائمی تعلق کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگی ہے۔ مغربی سماج میں ازدواجی تعلق کی کوئی وقعت باقی نہیں رہ گئی ہے۔ وہاں زیادہ تر لوگ آزادانہ طریقے سے جنسی ضرورتوں کی تکمیل کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں نکاح کی تعداد میں کمی کے باوجود طلاق کی شرح میں بے پناہ اضافہ ہوتا جا رہا ہے، جنسی آزادی، انفرادیت اور دوسروں کو اپنی زندگی میں شریک نہ کرنے کے رجحانات کی وجہ سے معاشرہ میں مختلف سماجی خرابیوں کے ساتھ طلاق کا سیلابِ عظیم امڈ پڑا ہے۔ Office of National statestic کے حوالہ سے پیش کردہ ایک رپورٹ کے مطابق انگلینڈ اور ویلز میں ۲۰۱۰ء کے اندر دو لاکھ اکتالیس ہزار ایک سو (2,41,100) شادیاں، جب کہ ایک لاکھ انیس ہزار پانچ سو نواسی (1,19,589) طلاقیں ہوئیں۔ اسی رپورٹ میں کہا گیا کہ آسٹریلیا میں ہر تیسری شادی طلاق پر منتج ہوتی ہے۔ ۱۹؎ سویڈن میں ۶۵ فی صد شادیاں طلاق پر منتج ہوتی ہیں۔ یہ تناسب امریکہ میں ۴۵ فی صد، جرمنی میں ۳۵ فی صد اور روس میں ۳۳/ فی صد ہے۔ ۲۰؎

سنگل پیرنٹس کے اثراتِ بد

نکاح کی تعداد میں شدید کمی، طلاق کی شرح میں تیزی سے اضافے اور معاشرہ

کی اہم اکائی (خاندان) کے تتر بتر ہوجانے کے نتیجہ میں جہاں بہت سے سنگین بحران پیدا ہوئے ہیں وہیں سنگل پیرنٹس کے مسئلے نے مغربی معاشرہ میں پورے زور وشور سے جنم لے لیا ہے اور اس میں دن بدن خوف ناک حد تک اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ برطانیہ کے قومی شماریاتی ادارہ office of national statistic کے ذریعہ one parent families on the rise کے عنوان سے شائع شدہ ایک رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ برطانیہ میں صرف ماں باپ کے ساتھ رہنے والے بچوں کی تعداد ۱۹۷۲ء کی نسبت ۲۰۰۷ء میں تین گنا ہوچکی تھی۔ رپورٹ میں مزید بتایا گیا کہ ۲۰۰۶ء میں ماں باپ میں سے کسی ایک کے ساتھ رہنے والے بچوں کا تناسب برطانوی بچوں کی کل تعداد کی ایک چوتھائی تک پہنچ گئی ہے، جب کہ ان میں سے ۹۰ فی صد بچے صرف ماؤں کے ساتھ رہتے ہیں۔'' ۲۱؎

امریکی معاشرہ میں بھی سنگل پیرینٹس کی تعداد بڑی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ چنانچہ US census beureo کی جانب سے نومبر ۲۰۰۹ء میں custodial mothers and fathers and thier child support 2007 کے عنوان سے ایک تفصیلی رپورٹ شائع کی گئی، جس میں کہا گیا ہے کہ امریکہ میں صرف ماں باپ کی نگرانی میں پرورش پانے والے بچوں کی تعداد اس وقت امریکی بچوں کی مجموعی تعداد کا ۳۔۲۶ فی صد ہے، جب کہ تنہا والدین میں عورتوں کا تناسب ۸۴ فی صد اور مردوں کا تناسب ۱۶ فی صد ہے۔ ۲۲؎

سنگل پیرنٹس کے معاشرہ میں نہایت سنگین اثرات مرتب ہورہے ہیں، خاص کر سنگل پیرنٹس کے تحت پرورش پانے والے بچے جرائم ومنشیات سے لے کر ہر طرح کی مجرمانہ سرگرمیوں میں بہ کثرت ملوث ہوجاتے ہیں۔ یہ بچے ان پر مکمل توجہ نہ ہوپانے کی وجہ سے اسکولی تعلیم سے محروم رہتے ہیں۔ لڑکیاں زندگی کی دوسری دہائی میں ہی حاملہ ہو جاتی ہیں۔ ۲۳؎ Kristin Kettering hom کی تحقیقی رپورٹ میں کہا گیا ہے:

''یہ دیکھا گیا ہے کہ Single parent گھروں میں پرورش پانے

والے نوجوان دوسرے نوجوانوں کی بہ نسبت تین گنا زیادہ ڈپریشن کا شکار ہوتے ہیں۔اسی طرح امریکہ میں Single parent والے گھرانے مجرمانہ سرگرمیوں میں بھی زیادہ ملوث پائے گئے، جن میں ۷۲ فی صد ٹین ایج سے قبل اور ۶۰ فی صد ریپ جیسی مجرمانہ سرگرمیوں میں مبتلا ہیں" ۲۴؎

آسٹریلیا کے مشہور آن لائن اخبار The Age کے National security correspondent اور تجزیہ نگار David wroe نے Single parent children more at risk کے عنوان سے ایک جائزہ رپورٹ تیار کی ہے، جس میں اس نے مغربی معاشرہ پر سنگل پرنیٹ کے سنگین اثرات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ایسے بچے جو سنگل پیرنٹس کے تحت پرورش پا رہے ہیں، ان میں ذہنی بیماریوں، خودکشی اور منشیات سے ہونے والی بیماریوں کا شکار ہونے کا تناسب ماں اور باپ کے سایے میں پرورش پانے والے بچوں کے مقابلہ میں دوگنا ہوتا ہے۔سنگل پیرنٹس گھروں میں پرورش پانے والی لڑکیوں میں منشیات کے استعمال کا تناسب تین گنا اور لڑکوں میں چار گنا زیادہ ہوتا ہے۔" ۲۵؎

خاندان کی ضرورت و اہمیت

انسان فطری طور پر ایک دوسرے کا ضرورت مند اور باہمی ہم دردی، محبت اور ایثار و قربانی کا محتاج ہوتا ہے۔ اس کے بغیر انسانی زندگی کا کوئی معنیٰ نہیں ہوتا، اس کے ساتھ جنسی تقاضا بھی انسانی زندگی کے لیے ایک بنیادی ضرورت ہے۔

شخصیت کی نشوونما، معاشرے کی پاکیزگی، تحفظ وسلامتی کی ضرورت اور مہر و محبت کی یقین دہانی کا نفسیاتی تسکین سے گہرا تعلق ہے۔خاندان انسان کی ذہنی وفکری اور معاشی و سماجی آسودگی کا حسین گہوارہ ہے، جہاں انسان کو جذباتی اور نفسیاتی سکون حاصل ہوتا ہے۔ یہ چیز دور جدید کے انسان کی بنیادی اور سب سے اہم ضرورت ہے۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹینکا میں نفسیاتی سلامتی کی پائیداری کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا گیا ہے:

"انسان کی تعمیر وترقی میں خاندان گراں قدر کارنامہ ادا کرتا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ خاندان انسان کو جذباتی سکون

اور ذہنی تحفظ فراہم کرتا ہے۔ دوستانہ رویے اور باہمی الفت و محبت میاں بیوی اور بچوں کے درمیان رہ کر ہی حاصل ہوتے ہیں۔"۲۶؎

روحانی سکون اور قلبی آسودگی کے لیے خاندان اہم ترین ادارہ ہے۔ انسان چاہے کسی خطے میں زندگی گزارتا ہو اور کسی دائرے میں زندگی بسر کرتا ہو، اسے سکون و اطمینان حاصل کرنے کے لیے اس کے انتظار میں موجود لوگوں سے آباد گھر کی ضرورت پڑتی ہے، اسی لیے دنیا کی تمام اقوام اپنا خاندانی نظام رکھتی ہے، جس کا قوموں کی نشوونما اور تشکیل و تعمیر اور ہر طرح کے تحفظ کی فراہمی میں کلیدی کردار رہا ہے۔ The World Book Encyclopaedia میں ہے:

"خاندان انسان کا قدیم ترین ادارہ ہے۔ لوگ تحفظ کے حصول کے لیے ایک ساتھ رہتے تھے۔ کیوں کہ انسان کے لیے تحفظ سب سے اہم چیز ہے۔ جو لوگ خاندانی اجتماعیت میں رہتے تھے وہ زیادہ محفوظ رہتے تھے۔"۲۷؎

اسلام میں خاندانی نظام کی اہمیت

اسلامی تعلیمات کے مطابق خاندان انسان کی فطری ضرورت ہے۔ وہ ایسا ادارہ ہے جہاں انسان کو تمام مصائب و مشکلات، اور ذہنی و جسمانی مشقتوں کے بعد سکون و اطمینان کی سانس لینے کا موقع ملتا ہے۔ انسانی زندگی کی نشوونما اور ہمہ جہت ترقی میں خاندان کا بنیادی کردار ہوتا ہے، اس لیے اسلامی تعلیمات میں خاندان کو کلیدی اہمیت حاصل ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرتوں اور کرشمہ سازیوں کے ذیل میں خاندان کی تشکیل اور اس کے ذریعے ساری انسانیت کی حسین تہذیب و تمدن سے وابستگی کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد ہے:

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَراً فَجَعَلَهُ نَسَباً وَصِهْراً وَكَانَ رَبُّكَ قَدِیْراً۔ (الفرقان ۵۴:)

"اور وہی تو ہے جس نے پانی سے آدمی پیدا کیا، پھر اس کو صاحبِ نسب اور صاحبِ قرابت دامادی بنایا اور تمہارا رب (ہر طرح کی) قدرت رکھتا ہے۔"

خاندانی نظام کے استحکام کے بغیر امن و امان، سکون و اطمینان اور زندگی کی

خوب صورتی حاصل نہیں ہوسکتی ۔اس لیے فطرت انسانی کا پورا لحاظ کرتے ہوئے انسانی زندگی کو خاندانی نظام دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُم مِّنْ أَنفُسِکُمْ أَزْوَاجاً وَجَعَلَ لَکُم مِّنْ أَزْوَاجِکُم بَنِیْنَ وَحَفَدَۃً وَرَزَقَکُم مِّنَ الطَّیِّبٰت ۔(النحل ۷۲:)

''اور اللہ ہی نے تم میں سے تمہارے لیے عورتیں پیدا کیں اور عورتوں سے تمہارے بیٹے اور پوتے پیدا کیے اور تمہیں پاکیزہ چیزیں دیں۔''

خاندان انسان کو جہاں ذہنی وقلبی سکون فراہم کرتا ہے وہیں اس کے لیے معاشی تحفظ کا بھی سب سے مضبوط ادارہ ہے۔ چنانچہ اسلام ماں باپ، بیوی بچے اور اقارب کے حقوق متعین کرتا ہے، شوہر پر یہ ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ وہ بیوی کی تمام معاشی ضروریات کی تکمیل کرے۔ ماں باپ کا فریضہ ہے کہ وہ اولاد کی نشوونما اور تعلیم و تربیت کا پورا لحاظ رکھیں اور اولاد اپنے بوڑھے ماں باپ کی مکمل خدمت اور معاشی ضروریات کی تکمیل کو ضروری سمجھے۔ یہی وجہ ہے کہ خاندانی نظام اسلام کی نمایاں خوبیوں میں سے ہے۔ اسلام جس طرح کا معاشرہ تشکیل دینا چاہتا ہے اس میں خاندانی نظام کا استحکام انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔۲۸؎

اسلامی نظام خاندان کے امتیازات

معاشرتی زندگی کے تحفظ و بقا اور حسین ماحول کی فراہمی کے لیے خاندان کا استحکام بنیادی ضرورت ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق مرد اور عورت دونوں ایک دوسرے کی ضرورت ہیں۔ دونوں کا باہمی معاونت کے ذریعے ایک دوسرے کی زندگی کو خوش گوار بنانے میں اہم کردار ہے۔قران مجید میں اس کا نہایت لطیف انداز میں اظہار کیا گیا ہے۔ارشاد ہے:

ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّھُن۔(البقرۃ ۱۸۷:)

''وہ تمہاری پوشاک ہیں اور تم اُن کی پوشاک ہو۔''

دونوں کو انسانی بنیادوں پر برابر کی حیثیت دی گئی ہے اور دونوں کو ایک

دوسرے کے حقوق کا ادا کرنے کا پابند کیا گیا ہے۔

خاندان مرد وعورت کے درمیان پاکیزہ اور مضبوط تعلق کے ذریعے وجود میں آتا ہے، اس لیے اس کی تعمیر میں دونوں کا اہم کردار ہے۔ خاندان کے استحکام میں عورت کا کردار کلیدی ہوتا ہے،جس کے بغیر وہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوجاتا ہے، کیوں کہ عورت بیوی کی حیثیت سے گھر کے نظم ونسق اور تمام امور کو نہایت خوب صورتی سے انجام دیتی ہے، نیز وہ ماں کی حیثیت سے اولاد کی تربیت کی اہم ترین ذمہ داری نبھاتی ہے۔ اولاد کی پرورش کے تمام مصنوعی طریقے، جو مغرب میں رائج ہیں، آغوشِ مادر کی جگہ نہیں لے سکتے، کیوں کہ وہ اولاد کے لیے سب سے پہلی اور عظیم ترین تربیت گاہ ہوتی ہے، جہاں ان کی جسمانی نشو ونما کے ساتھ ذہنی وفکری اور اخلاقی تربیت بھی ہوتی ہے۔

ہر نظام کو خوب صورتی کے ساتھ انجام تک پہنچانے کے لیے اس سے وابستہ افراد کے دائرۂ کار مقرر ہوتے ہیں، کیوں کہ اس کے بغیر وہ نظام انتشار اور ناکامی کا شکار ہوجاتا ہے۔ خاندانی نظام بھی اسی دائرۂ کار اور خاندان سے وابستہ افراد کی طرف سے متعینہ ذمہ داریوں کی ادائیگی کا تقاضا کرتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

> **کلکم راع وکلکم مسؤول عن رعیته، الامام راعی ومسئول عن رعیته، والرجل راع فی اھله وھو مسئول عن رعیته والمراۃ راعیۃ فی بیت زوجھا ومسئولۃ عن رعیتھا۔** ۲۹
>
> ’’تم میں سے ہر ایک نگراں ہے اور اس سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں سوال ہوگا۔ امام نگراں ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہوگا۔ مرد اپنے گھر کا نگراں ہے، اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگراں ہے، اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔‘‘

اسلام کے خاندانی نظام میں دو چیزوں کی خاص اہمیت ہے: رشتہ داروں کا پاس ولحاظ اور حقوق کی ادائیگی۔ چنانچہ صلہ رحمی اور رشتہ داروں کے حقوق کی رعایت کی تاکید کی گئی ہے، اور قطع رحمی سے سختی سے روکا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

يَأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيراً وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالأَرْحَامَ إِنَّ اللهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيباً۔ (النساء ۱:)

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا، پھر اُن دونوں سے کثرت سے مرد وعورت (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلا دیے اور اللہ سے، جس کے نام کو تم اپنی حاجت براری کا ذریعہ بناتے ہو، ڈرو اور ناطہ توڑنے سے بچو۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔''

قرابت کے احترام کو ملحوظ رکھنے اور صلہ رحمی کرنے سے معاشرہ میں پیار و محبت کے جذبات عام ہوتے ہیں، باہمی عداوت کا خاتمہ ہوتا ہے، مشکلات کے وقت ایک دوسرے کے کام آنے اور باہمی تعاون کے جذبات کو مہمیز ملتی ہے۔ اس طرح معاشرے کے تمام افراد باہری خطرات اور شرارتوں سے حددرجہ مامون ہوجاتے ہیں اور ہر طرف خوش حالی کا ماحول پیدا ہو جاتا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

من سرّہ ان یمد لہ فی عمرہ ویوسع لہ فی رزقہ ویدفع عنہ میتۃالسوء فلیتق اللہ ولیصل رحمہ۔ ۳۰ ؎

''جو شخص چاہتا ہے کہ اس کی عمر میں اضافہ ہو اور اس کے رزق میں کشادگی ہو اور وہ بری موت سے محفوظ رہے اسے چاہیے کہ وہ اللہ سے ڈرے اور صلہ رحمی کو لازم پکڑے۔''

اسلامی نظام خاندان کی بنیاد ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت اور حفاظت پر رکھی گئی ہے۔ اس کے بغیر خاندانی نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔ مغرب کا خاندانی نظام انفرادیت کے جذبات سے آلودہ ہو کر اس قدر کو تقریباً کھو چکا ہے۔ وہاں افرادِ خاندان کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ وہاں کا خاندانی نظام کم زور سے کم زور تر ہوتا چلا گیا ہے۔ اسلام کے تصور خاندان میں ایک دوسرے

کے حقوق کو سمجھنے اور ہر ممکن ان کی ادائیگی کی تاکید گئی ہے۔

خاندان میں اولین حیثیت زوجین کو حاصل ہے، جن پر خاندان کی عمارت قائم ہوتی ہے۔ خاندان کی اس مضبوط اکائی کو منظم کرنے کے لیے باہمی الفت ومحبت اور حسن سلوک ضروری ہے۔ چنانچہ ایک طرف عورت کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے اعمال و کردار اور تمام طرز عمل میں اس معیار پر قائم رہے کہ شوہر جب بھی اس کے اور اس کے معاملات پر نظر ڈالے تو اسے خوشی اور اطمینان کی کیفیت حاصل ہو۔ اللہ کے رسول ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ بہترین عورت کون ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا:

التی تسرّہ اذا نظر وتطیعہ اذا أمر ولا تخالفہ فی نفسھا ولا فی مالہ بمایکرہ۔۳۱

''وہ عورت کہ جب اس کا خاوند اس کی طرف دیکھے تو خوش ہوجائے، جب اسے کسی بات کا حکم دے تو اس کی اطاعت کرے اور اپنی ذات سے متعلق اور مالی معاملات میں وہ کام نہ کرے جس کو وہ ناپسند کرتا ہو۔

دوسری طرف مرد کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ بھی عورت کی حق تلفی نہ کرے، اس کی پسند و ناپسند کا خیال رکھے اور اس کے ساتھ ہمیشہ خوش گوار طرز عمل اختیار کرے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَعَاشِرُوھُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِن كَرِھْتُمُوھُنَّ فَعَسَى أَن تَكْرَھُوا شَيْئاً وَيَجْعَلَ اللّٰہُ فِيہِ خَيْراً كَثِيراً۔ (النساء ۱۹:)

''اور اُن کے ساتھ اچھی طرح سے رہو۔ اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت سی بھلائی پیدا کردے۔''

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم میں کامل مومن وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہوں، اور تم میں سب سے بہتر اخلاق والے وہ ہیں جو اپنی بیوی کے حق میں سب سے بہتر ہو۔''۳۲

خاندان کا دوسرا عنصر والدین ہیں۔ ان کے بغیر کوئی خاندان وجود میں نہیں آ سکتا۔ اس لیے اسلام والدین کے مقام ومرتبہ کو خاص اہمیت دیتا ہے۔ والدین کی

عظمت کے لیے یہ کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعد ان دونوں کا مقام و مرتبہ بیان کیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا۔ (بنی اسرائیل ۲۳:)

''اور تمہارے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو۔''

اسلامی نظام خاندان میں والدین کی بڑی اہمیت ہے۔ ان کی نافرمانی اور ان سے بے توجہی کو سخت ترین گناہ شمار کیا گیا ہے اور اولاد پر والدین کی کفالت کو لازم قرار دیا گیا ہے۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق قرآن وحدیث کی صراحتوں کی معنویت اس وقت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کا نہایت ترقی یافتہ سماج والدین کو بڑھاپے میں بوجھ سمجھ کر اولڈ ایج ہوم میں چھوڑ آتا ہے۔

خاندان کا تیسرا عنصر اولاد ہے۔ اسلام نے اولاد کے حقوق ماں باپ پر عائد کیے ہیں، ان کے ساتھ شفقت کی تاکید کی ہے، ان کی پرورش اور دینی و اخلاقی اور ظاہری و باطنی تربیت کا حکم دیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا۔ (التحریم ۶:)

''مومنو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آتش (جہنم) سے بچاؤ۔''

ایک حدیث میں ارشاد ہے:

مانحل والد ولده أفضل من أدب حسن ۔ ۳۳

''کوئی باپ اپنی اولاد کو اس سے اچھا عطیہ نہیں دے سکتا کہ اس کو ادب سکھائے۔''

خاندان کا ایک اہم ستون اہل قرابت اور رشتہ دار ہیں۔ ان کے بغیر خاندان کی خوب صورتی بے معنیٰ ہوجاتی ہے۔ مغرب کا نظام خاندان اہل قرابت اور رشتہ داروں سے حاصل ہونے والی پرلطف زندگی سے نا آشنا ہے۔ وہاں دور دور تک رشتہ داری کے پاس ولحاظ کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اسلامی نظام خاندان میں اہل قرابت کے ساتھ حسن تعامل کو خاص اہمیت دی گئی ہے اور ان کے ساتھ حسن سلوک، ہم دردی،

خیرخواہی اور غم گساری کی تاکید کی گئی ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَ آتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهُ۔(بنی اسرائیل: ۲۶)

اور رشتہ داروں کو اُن کا حق دو۔"

دوسری جگہ ارشاد ہے:

إِنَّ اللّٰهَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْإِحْسَانِ وَ إِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی۔(النحل: ۹۰)

"اللہ تمہیں انصاف اور احسان کرنے اور رشتہ داروں کو (خرچ سے مدد) دینے کا حکم دیتا ہے۔"

ان کے علاوہ متعدد آیات ہیں، جن میں رشتہ داری کی اہمیت کو ملحوظ رکھنے اور رشتہ داری کے تقاضوں کو ہر پل نبھانے کی تاکید کی گئی ہے۔ساتھ ہی اس سے پہلوتہی کرنے والوں اور رشتہ داروں کے حقوق کی رعایت نہ کرنے والوں کو سخت وعید کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔

حواشی ومراجع

۱— د۔صوفی ابو طالب، تاریخ النظم الاجتماعیۃ والقانونیۃ، جامعہ قاہرۃ، ۱۹۷۲ء، ص ۳۴:

۲— ڈاکٹر خالد علوی، اسلام کا معاشرتی نظام، ص ۴۷۷:۔

Hacker H.M Women as a Mirority Group,in Glazer malbin and waehrer.H.Y,(Ed)women in man made world,Rond macnally,Chicao 1972

3— ʾOKelly housewife All lan London 1974

4— Williams,Rachel,The spanish influnza and world war,University of Tennessee,10 sep 2018,p:4-10

5— Bbc.co.uk\news Round 9November 2018/, how did w w i change theworld

6— Bbc.co.uk/ newsround /4279 4339

۷— ہفت روزہ اکانومسٹ لندن، ۲۳/جنوری ۱۹۹۹ء

8. A lesser life: the Myth of Women's Liberation in America, pg:351

۹۔ حوالۂ سابق ۱۰۔حوالۂ سابق ،ص ۵۵۱

۱۱۔ ڈاکٹر عبدالغنی فاروق، یہ ہے مغربی تہذیب، طبع میٹرو پرنٹر لاہور، بیت الحکمۃ لاہور، ۲۰۰۷، ص ۵

12_ www.saaid.net\Doat

۱۳۔ درصلاح سلطان، الحیاۃ الزوجیۃ فی الغرب۔ص ۳۱۱:

14_ Oberge Fell V.Hadges,No: 14-556,US,26 June 2015

۱۵۔ بحوالہ ہفت روزہ تکبیر ۴ر ستمبر ۱۹۹۷ء

۱۶۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے :

US Toady June 3,2003, Study Links: Depression Suicide-rates to teen sex

17_ Family law in UK, Under section 14 of the trust of land and justice act 1996

18_ Wendy Wilson, succession Right and privately Rented housing, house of Wendy Wilson, succession Right and privately Rented housing, house of common 6 march 2009,p:1

19- Hifungton post + Bertania Available online: www.express.pk/story/26802

۲۰۔ بحوالہ مجلہ البیان: لندن اپریل، مئی، ۲۰۰۰ء

21_ BBC.com,11apr 2007

۲۲۔ حوالہ سابق

23_ Available online: calvarychapel.com/library/divorce statistci.html 15 march 2002

24_ Available online: www.yahoo.com/kristin kettring hom 2006 the us census Beoreu

25_ www.app.com.pk/ud

26_ Encyclopaedia Britannica vol:4,p:376

27_ The word world book encyclopaedia volume 6/2470

۲۸۔ اسلام میں خاندانی نظام کی اہمیت اور امتیازات کے سلسلے میں تفصیل جاننے کے لیے ملاحظہ کیجیے

مولانا سید جلال الدین عمری کی کتاب: اسلام کا عائلی نظام، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، طبع چہارم، ۲۰۱۷ء

۲۹۔ بخاری، کتاب الجمعہ، باب الجمعۃ فی القری والمدن، ۸۹۳

۳۰۔ مسند احمد، دار الحدیث القاہرۃ، ۱۹۹۵ء، حدیث ۲۲۱۳:

۳۱۔ سنن نسائی ۳۲۳۱: ،مسند احمد ۹۶۵۸:

۳۲۔ ترمذی، کتاب الرضاع، باب ماجاء فی حق المرئۃ علی زوجھا، ۱۱۶۳

۳۳۔ ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ما جاء فی ادب الولد، ۱۹۵۲

تہذیب وسیاست کی تعمیر میں اسلام کا کردار

(مقالات سمینار)

مرتبین: ڈاکٹر صفدر سلطان اصلاحی/مولانا محمد جرجیس کریمی

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ کی طرف سے منعقدہ سمینار کے مقالات کا مجموعہ، جس میں تحریک اسلامی ہند کے اکابرین اور قائدین کے خطبات کے علاوہ ملک کے ممتاز مفکرین اور دانش وروں کے کل ۳۶/مقالات شامل ہیں۔ ان مقالات میں تہذیب وسیاست کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے، جن میں مغربی اور اسلامی تہذیبوں کے اجزائے ترکیبی، ان کے درمیان موجود فرق و امتیازات، تہذیبوں کے تصادم کا موجودہ نظریہ، امت مسلمہ کی موجودہ تہذیبی وسیاسی صورت حال، قرآن مجید اور احادیث شریفہ میں حکومت و سیاست کے تصورات، موجودہ طریقۂ انتخاب، پارلیمانی نظامِ حکومت، تکثیری معاشرے کے مسائل جیسے اہم مباحث اور معروف علمائے سلف اور جدید مفکرین کی وقیع کتب کے تجزیاتی مطالعے پیش کیے گئے ہیں۔

یہ ایک ایسی دستاویز ہے جو قوم وملت کی علمی رہ نمائی اور موجودہ پیچیدہ حالات کے تقاضوں کے فہم و ادراک اور اس کی روشنی میں اپنے لائحۂ عمل کے تعیین میں ممد و معاون ثابت ہوگی۔ کل صفحات ۸۳۶، قیمت: ۶۰۰ روپے صرف

تعارف وتبصرہ

قرآن کی تدوین: غلط فہمیوں کا ازالہ مولانا محمد عنایت اللہ سبحانی

مترجم: مولانا برہان احمد ندوی

ناشر: ہدایت پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرس، نئی دہلی، ۲۰۲۰ء، صفحات: ۲۶۱، قیمت ۲۰۰/- روپے

جمع وتدوین قرآن علوم القرآن کا ایک مہتم بالشان موضوع ہے۔ اس کے تحت بیان کیا جاتا ہے کہ قرآن کو کیسے جمع کیا گیا؟ اس کی تدوین کیسے ہوئی؟ اور یہ عمل کن مراحل سے گزرا؟ اس موضوع پر علمائے اسلام نے قیمتی تحقیقات کی ہیں۔ عربی اور اردو دونوں زبانوں میں اہم کتابیں پائی جاتی ہیں۔ اردو میں مولانا عبد اللطیف رحمانی کی تاریخ القرآن، مولانا مناظر احسن گیلانی کی تدوین قرآن، جناب سید صدیق حسن کی جمع وتدوین قرآن، مولانا عبد الصمد ازہری کی تاریخ القرآن، مولانا محمد اسلم جیراج پوری کی تاریخ القرآن اور مولانا تمنا عمادی کی جمع القرآن اہمیت رکھتی ہیں۔ اسی موضوع پر کچھ عرصہ قبل عربی زبان میں مولانا محمد عنایت اللہ سبحانی کی کتاب 'بہجۃ الجنان فی تاریخ تدوین القرآن' شائع ہوئی تھی۔ اب اس کا اردو ترجمہ 'قرآن کی تدوین: غلط فہمیوں کا ازالہ' کے نام سے منظر عام پر آیا ہے۔

یہ کتاب چار (۴) ابواب پر مشتمل ہے۔ ابتدا میں مولانا نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مکمل قرآن اللہ کے رسول ﷺ کی حیات میں لکھا جا چکا تھا اور وہ تحریری طور پر کتابی صورت میں موجود تھا۔ (ص ۵۰) یہ بحث عمدہ ہے، لیکن اس کے ساتھ مولانا نے بہت سی باتیں دعوے کی شکل میں کہی ہیں، جن سے اتفاق مشکل ہے۔ مثلاً انھوں نے لکھا ہے کہ عہدِ نبوی میں کاغذ متداول تھا اور قرآن کو صرف کاغذ پر لکھا جاتا تھا۔ جن روایات میں کاغذ کے علاوہ دوسری چیزوں، مثلاً: تختی، لکڑی، ہڈی، چھال اور چمڑے وغیرہ پر لکھنے کا ذکر ملتا ہے، وہ صحیح نہیں ہیں۔ (ص ۴۹) مولانا نے یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کو لکھنا آتا تھا۔ (ص ۷۸) آپ کے علاوہ تمام صحابہ کو بھی لکھنا پڑھنا آتا تھا اور انھوں نے قرآن کو لکھ کر اپنے پاس کتابی صورت میں محفوظ کر لیا تھا۔ (ص ۵۸)

مولانا نے ایک بحث یہ کی ہے کہ جن روایات میں یہ ذکر ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سورۂ فاتحہ اور معوذتین (سورۂ الفلق اور سورۂ الناس) کو قرآن نہیں مانتے تھے وہ ناقابلِ اعتبار ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ابن مسعودؓ ان سورتوں کو بھی قرآن کا حصہ سمجھتے تھے۔

مولانا نے تیسری بحث یہ کی ہے کہ اختلافِ قراءت کا ذکر کرنے والی تمام روایتیں نادرست ہیں۔ قرآن کی قراءت ہمیشہ ایک رہی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیشہ قرآن کو ایک قراءت پر پڑھا تھا اور اپنے اصحاب کو پڑھایا اور یاد کرایا تھا اور یہ وہی قراءت ہے جس کو حضرت عثمانؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں اسلامی ریاست کے تمام حصوں میں عام کیا تھا۔

تدوین قرآن کے عام طور پر تین مراحل بیان کیے گئے ہیں: (۱) عہد نبوی میں (۲) عہد صدیقی میں (۳) اور عہدِ عثمانی میں۔ مولانا سبحانی ان مراحل کا انکار کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں قرآن تحریری شکل میں ویسا ہی مرتب شکل میں موجود تھا، جیسا کہ آج کل پایا جاتا ہے۔ اسی کو حضرت ابو بکرؓ نے محفوظ کیا تھا اور حضرت عثمانؓ نے اپنے زمانے میں عام کیا تھا۔ مولانا نے ایک بحث یہ بھی کی ہے کہ قرآن کی آیتوں پر نقطے اور اعراب عہدِ اموی میں لگوائے جانے کی بات درست نہیں ہے۔ اس کا اہتمام عہدِ نبوی ہی سے کیا گیا تھا۔

مولانا سبحانی نے اپنی تحقیقات کے ذریعے مستشرقین کے اعتراضات کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ ان کا یہ جذبہ تو پاکیزہ ہے، لیکن انھوں نے جو دعوے کیے ہیں وہ دعوے ہی ہیں، ان کا تاریخی ثبوت نہیں ملتا۔ مولانا کا روایات کی تحقیق کا انداز بڑا نرالا ہے۔ جو روایتیں ان کی تحقیق کے خلاف پائی جاتی ہیں، ان سب کو وہ اسلام دشمنوں کی خود ساختہ اور پھیلائی ہوئی قرار دیتے ہیں۔ مشہور راوی حدیث ابن شہاب زہریؒ کو وہ ناقابلِ اعتبار قرار دیتے ہیں۔ انھوں نے لکھا ہے: ''قرآن کے جمع و تدوین کی تمام روایتیں ابن شہاب زہری سے مروی ہیں اور زہری کے بارے میں سب کو معلوم ہے کہ وہ احادیث کی روایت کرنے میں لاپروا تھے۔ وہ روایتوں کی چھان بین نہیں کرتے تھے۔ صحت حدیث کا ان کے ہاں کوئی اہتمام نہیں تھا۔'' (ص ۱۱۹) اگر یہ بات درست مان لی جائے تو سوال یہ ہے کہ کیا جمع و تدوین قرآن کی بحث میں انحصار صرف زہری کی روایات پر ہے، یا دوسرے ذرائع سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے؟

اس وقت صرف یہ عرض کیا جا سکتا ہے کہ جمع و تدوینِ قرآن کے موضوع پر مولانا محمد عنایت اللہ سبحانی کی یہ کتاب بلند بانگ دعووں کے ساتھ منظر عام پر آئی ہے۔ اب اہلِ علم کی ذمے داری ہے کہ اس کی خوبیوں اور خامیوں کا جائزہ لیں اور درست نقطۂ نظر کی طرف قارئین کی رہ نمائی کریں۔ (محمد رضی الاسلام ندوی)

خبر نامہ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی (۸۱)

☆ ۴؍ جولائی ۲۰۲۱ء کو ادارہ میں مولانا محمد طاہر مدنی ناظم جامعۃ الفلاح اعظم گڑھ تشریف لائے۔ اس موقع پر ایک علمی نشست منعقد کی گئی، جس میں موصوف نے حالات حاضرہ میں مسلمانوں کی حکمت عملی اور لائحہ عمل پر گفتگو کی۔ انھوں نے کہا کہ اس وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ برادرانِ وطن سے تعلقات بڑھائے جائیں اور ان کے سامنے اسلام کی صحیح تصویر پیش کی جائے۔

☆ ۱۴؍ جولائی کو معروف محقق ومصنف ڈاکٹر محمد اکرم ندوی کی محدثات انسائیکلوپیڈیا 'الوفاء باسماء النساء' کے تعارف وتجزیہ پر علمی مذاکرہ کا انعقاد ہوا، جس میں ادارہ کے ارکان اور اسکالرس نے مقالات پیش کیے۔ ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی، نائب صدر ادارہ نے ڈاکٹر اکرم ندوی کا تعارف کرایا۔ مہمان خصوصی ڈاکٹر محی الدین غازی نے موضوع کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ اخیر میں صدرِ مجلس پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی نے اس علمی مذاکرے کے انعقاد پر مبارک باد پیش کی۔ انھوں نے فرمایا کہ اس انسائیکلو پیڈیا کے ذریعے ڈاکٹر اکرم ندوی نے ایک گراں قدر خدمت انجام دی ہے۔ انھوں نے پوری امت کی طرف سے ایک فرضِ کفایہ ادا کیا ہے، جس پر وہ شکریہ کے مستحق ہیں۔

☆ ۱۴؍ جولائی کو ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی کی صدارت میں ادارہ کی مجلس عاملہ کا اجلاس منعقد ہوا۔ اس میں طے پایا کہ ادارہ کی ویب سائٹ جلد تیار کرائی جائے، جس میں مصنفین ادارہ کی کتابوں کا تعارف بھی شامل کیا جائے۔ علمی پروجیکٹس پر باہر کے محققین کی خدمات حاصل کرنے کے سلسلے میں غور وخوض ہوا۔ طے پایا کہ محققین سے مشورہ کرکے موضوعات طے کیے جائیں۔ ان کے کام پر انھیں اعزازیہ دیا جائے۔ صدرِ مجلس نے تجویز پیش کی کہ زوم پر محققین کے لیکچرس کرائے جائیں اور ادارہ کے اسکالرس کو ان سے استفادہ کا موقع فراہم کیا جائے، ساتھ ہی ان لیکچرس کو ریکارڈ کرکے ادارہ کے یوٹیوب چینل پر نشر کیا جائے۔

☆ ۱۶؍ جولائی کو ادارہ میں بعد نمازِ مغرب ڈاکٹر محمد اکرم ندوی کے ساتھ آن لائن علمی نشست منعقد ہوئی، جس میں رفقاء واسکالرس نے ان سے ان کی کتاب 'الوفاء باسماء

النساءٗ سے متعلق سوالات کیے۔ فاضل محقق نے ان کے تسلی بخش جوابات دیے۔

☆ ۱۷؍جولائی کو ادارہ میں انجینئر محمد سلیم نائب امیر جماعت اسلامی ہند اور جناب ملک معتصم خان مرکزی سکریٹری شعبۂ ملّی امور تشریف لائے۔ اس موقع پر ایک نشست کا انعقاد کیا گیا۔ مہمانانِ محترم نے باہمی تعارف کے بعد رفقاء و اسکالرس کی علمی سرگرمیوں سے واقفیت حاصل کی۔

☆ ۸؍اگست کو ادارہ میں شعبہ HRD ،جماعت اسلامی ہند کے مرکزی ذمہ داران جناب آئی کریم اللہ اور جناب عتیق الرحمن تشریف لائے۔ سکریٹری ادارہ مولانا اشہد جمال ندوی نے انہیں ادارہ کی سرگرمیوں سے واقف کرایا۔ اس موقع پر ادارہ کے ارکان اور اسکالرس کے ساتھ ایک نشست ہوئی، جس میں مہمانانِ کرام نے 'زندگی: وژن اور مشن' کے عنوان پر گفتگو کی۔

☆ ۱۸؍اگست کو پروفیسر محمد ادریس کی صدارت میں جناب سید سعادت اللہ حسینی امیر جماعت اسلامی ہند کی کتاب 'بدلتی ہوئی دنیا اور اسلامی فکر' پر علمی مذاکرہ کا انعقاد کیا گیا۔ اس میں ارکانِ ادارہ اور اسکالرس نے کتاب کے مشمولات کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا۔ اخیر میں صدرِ مجلس نے مقالات پر تبصرہ کیا اور کسی کتاب کا مطالعہ اور تلخیص کرنے سے متعلق اہم باتوں کی نشان دہی کی۔

☆ ۲۲؍اگست کو ادارہ میں پروفیسر سید مسعود احمد کی صدارت میں ادارہ کی مجلسِ علمی کی نشست منعقد ہوئی۔ اس میں طے کیا گیا کہ ادارہ میں آئندہ فروری ۲۰۲۲ء کی کسی تاریخ میں 'قرآن اور سائنس' کے عنوان پر سیمینار/ویبینار منعقد کیا جائے۔ سیمینار کی تفصیلات طے کرنے کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔

☆ ۳۱؍اگست کو ادارہ کے دوسالہ تصنیفی تربیت کورس میں داخلے کے خواہش مند طلبہ کا انٹرویو ہوا۔ اس کے لیے ترپن (۵۳) درخواستیں موصول ہوئی تھیں، تیئس (۲۳) طلبہ کو انٹرویو میں شریک کیا گیا، جن میں سے چھ (۶) کا انتخاب عمل میں آیا۔

☆ جناب محمد اشہد فلاحی نے ادارہ سے تصنیفی تربیت کا کورس مکمل کیا ہے۔ انھوں نے 'اسلام کا تصورِ روحانیت' پر مبسوط مقالہ تحریر کیا ہے۔ ۱۶؍ستمبر کو انہیں الوداعیہ دیا گیا

، جس میں ادارہ کے سینیئر رکن مولانا محمد جرجیس کریمی کے بدست انھیں سند سے نوازا گیا۔ اس موقع پر ادارہ میں نئے آنے والے اسکالرس کو استقبالیہ بھی دیا گیا۔

☆ ۲۷ ستمبر کو ڈاکٹر ندیم آفاق خان، اسسٹنٹ پروفیسر مولانا آزاد اردو یونی یورسٹی، حیدرآباد ادارہ تشریف لائے۔ اس موقع پر ایک علمی نشست کا انعقاد ہوا، جس میں مہمان موصوف نے علمی وعملی زندگی کی منصوبہ بندی، ہدف اور مقصد کے حصول کے طریقہ کار پر گفتگو کی۔

☆ ۲۹ ستمبر کو ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی ادارہ تشریف لائے اور رفقائِ ادارہ کے علمی کاموں کا جائزہ لیا۔ اس موقع پر اسکالرس کے ساتھ ایک علمی نشست منعقد ہوئی۔ موصوف نے انہیں کثرتِ مطالعہ، لکھنے کی خوب مشق اور ادارہ کی لائبریری میں موجود مختلف موضوعات کی کتابوں سے استفادہ کرنے کی تلقین کی۔ تحریری صلاحیت میں نکھار پیدا کرنے کے لیے اپنی تحریروں کو تنقیدی نظر سے بار بار دیکھنے اور اس کی نوک پلک سنوارنے پر زور دیا۔

☆ ادارہ کے دو سالہ تصنیفی تربیت کے نصاب میں مختلف علوم وفنون کی کتابوں کے ساتھ تحریکی اور فکری لٹریچر کو شامل کیا گیا ہے۔ اس نصاب کو مزید بہتر بنانے کے لیے، مختلف فنون کے ماہر اساتذہ سے مشاورت ہوئی اور ان کی تجاویز کی روشنی میں نئے نصاب کا خاکہ تیار کیا گیا، جسے معمولی ردّ وبدل کے بعد ادارہ کی مجلسِ علمی نے منظور کیا۔ نئے نصاب میں مختلف مضامین کے لیکچرس کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اس کا آغاز ہو گیا ہے، جس کے لیے پروفیسر محمد ادریس ہفتے میں دو روز تشریف لا رہے ہیں۔

☆ ادارہ کی لائبریری میں کتابوں کا اضافہ جاری ہے۔ اہل علم اپنی بیش قیمت کتابیں خوش دلی سے ادارہ کے لیے ہدیہ کر رہے ہیں۔ حال ہی میں ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی نے عربی مراجع ومصادر کی ۱۰۳ کتابیں، جناب ساجد شفیع (ریسرچ اسکالر اے ایم یو) نے قرآنیات پر اردو وانگریزی کی ۹۰ کتابیں اور جناب ثانی اثنین (دہلی) نے ادارہ کی درخواست پر اپنے والد مولانا وحید الدین خاںؒ کی ۱۵۵ کتابیں ہدیہ کی ہیں۔ ادارہ ان تمام اہلِ علم کی خدمت میں ہدیۂ تشکر پیش کرتا ہے۔

فہرست مضامین سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ جلد ۴۰، ۲۰۲۱ء

مضامین	مضمون نگاران	شمارہ	صفحات
حرف آغاز			
قرآن کی صداقت کے دلائل	سید جلال الدین عمری	۱	۵_۱۵
موجودہ حالات میں دعوتِ دین کے تقاضے	سید جلال الدین عمری	۲	۱۳۳_۱۳۶
اسلام کا شورائی نظام	سید جلال الدین عمری	۳	۲۶۱_۲۷۳
اسلام کا نظامِ شوریٰ	سید جلال الدین عمری	۴	۳۸۹_۴۱۸
تحقیق وتنقید			
حافظ فرمان علی کے ترجمۂ قرآن کا تنقیدی جائزہ	ڈاکٹر انعام اللہ وٹّو	۱	۱۷_۳۴
قدیم انگریزی ادب اور اسلام	جناب زریاب احمد فلاحی	۱	۳۵_۵۲
جدید مستشرقین کے مطالعاتِ تفسیر	پروفیسر عبدالرحیم قدوائی	۲	۱۳۷_۱۵۲
علومِ اسلامی میں مغرب کا سرقہ	ڈاکٹر محمد اسامہ	۲	۱۵۳_۱۶۴
انگریزی ادب میں رسول ﷺ کی تصویر کشی	جناب زریاب احمد فلاحی	۲	۱۶۵_۱۹۶
شعب ابی طالب میں محصوری (۱) (سیرت نبوی کا ایک اہم باب)	ڈاکٹر مفتی محمد مشتاق تجاروی	۳	۲۷۵_۲۹۵
احادیثِ احکام کی روایت میں امام ترمذیؒ کا اسلوب	محترمہ صائمہ ملک	۳	۲۹۷_۳۰۶
قرآن مجید میں غیر عربی زبانوں کے الفاظ	جناب نعمت اللہ مشعل	۴	۴۱۹_۴۳۰
شعب ابی طالب میں محصوری (۲)	ڈاکٹر مفتی محمد مشتاق تجاروی	۴	۴۳۱_۴۵۲
بحث ونظر			
مستشرقین کا تیار کردہ اشاریۂ حدیث	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۱	۵۳_۷۲
مالی تعزیر (جرمانہ) کا شرعی حکم	مولانا ولی اللہ مجید قاسمی	۱	۷۳_۹۱
مکی عہد نبویؐ میں نوجوان صحابہ اور ان کی خدمات	جناب عابد الحسن	۱	۹۳_۱۰۸
تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن کا تقابلی مطالعہ (۱)	ڈاکٹر عظمیٰ خاتون	۲	۱۹۷_۲۱۸
مولانا ابوالکلام آزادؒ کا تصورِ حدیث	جناب مہتاب حسین شاہ	۲	۲۱۹_۲۳۲
تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن کا تقابلی مطالعہ (۲)	ڈاکٹر عظمیٰ خاتون	۳	۳۰۷_۳۳۳
قرآن مجید کا تصورِ امن	مولانا محمد جرجیس کریمی	۳	۳۳۵_۳۴۹
اقبال کا نظریہ تعلیم	ڈاکٹر علی محمد بٹ	۳	۳۵۱_۳۶۸

قرون وسطیٰ کے انگریزی ادب میں اسلام اور مسلمان	جناب زریاب احمد فلاحی	۴	۴۵۳_۴۷۲
خاندان سے متعلق مغربی تصورات اور اسلام	مولانا محمد کمال اختر قاسمی	۴	۴۷۳_۴۹۶

سیر وسوانح

مولانا محمد سالم قاسمیؒ۔اتحادِ امت کے داعی	سید جلال الدین عمری	۱	۱۰۹_۱۱۳
ڈاکٹر محمد رفعت۔ایک عزیز کی یاد، جو سب کا عزیز تھا	سید جلال الدین عمری	۲	۲۳۳_۲۴۲

تعارف وتبصرہ

بچوں کی تربیت کے رہ نما اصول	مولانا محمد انس فلاحی مدنی	۱	۱۱۵_۱۱۶
اہم عصری مسائل۔تجزیہ اور حل	مولانا محمد صادر ندوی	۱	۱۱۷_۱۱۸
قرآنی معاشیات	ڈاکٹر سیف اللہ اصلاحی	۲	۲۴۳_۲۴۵
علوم القرآن۔ایک جائزہ	مولانا محمد انس فلاحی مدنی	۳	۳۶۹_۳۷۱
رجوع، فہم اور تدبر قرآن۔چند معروضات	مولانا محمد جرجیس کریمی	۳	۳۷۱_۳۷۳
اشاریہ شش ماہی علوم القرآن	مولانا محمد جرجیس کریمی	۳	۳۷۳_۳۷۴
قرآن کی تدوین۔غلط فہمیوں کا ازالہ	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۴	۴۹۷_۴۹۸
خبرنامہ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی (۷۸)	ادارہ	۱	۱۱۹_۱۲۰
〃 〃 (۷۹)	〃	۲	۲۴۶_۲۴۸
〃 〃 (۸۰)	〃	۳	۳۷۵_۳۷۶
〃 〃 (۸۱)	〃	۴	۴۹۹_۵۰۱

فہرست مضمون نگاران سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ جلد ۴۰، ۲۰۲۱ء

مضمون نگاران	مضامین	شمارہ	صفحات
اصلاحی، سیف اللہ	قرآنی معاشیات (تبصرہ)	۲	۲۴۳_۲۴۵
بٹ، محمد علی	اقبال کا نظریہ تعلیم	۳	۳۵۱_۳۶۸
تجاروی، محمد مشتاق	شعب ابی طالب میں محصوری (۱)		
	(سیرت نبوی کا ایک اہم باب)	۳	۲۷۵_۲۹۵
	شعب ابی طالب میں محصوری۔۔(۲)	۴	۴۳۱_۴۵۲
شاہ، مہتاب حسین	مولانا ابو الکلام آزادؒ کا تصور حدیث	۲	۲۱۹_۲۳۲
صائمہ ملک	احادیثِ احکام کی روایت میں امام ترمذیؒ کا اسلوب	۳	۲۹۷_۳۰۶

عابدالحسن	مکی عہد نبویؐ میں نوجوان صحابہ اور ان کی خدمات	۱	۹۳_۱۰۸
عظمیٰ خاتون	تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن کا تقابلی مطالعہ	۲	۱۹۷_۲۱۸
	تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن کا تقابلی مطالعہ (۲)	۳	۳۰۷_۳۳۳
عمری، سید جلال الدین	اسلام کا شورائی نظام	۳	۲۶۱_۲۷۳
	اسلام کا نظامِ شوریٰ	۴	۳۸۹_۴۱۸
	ڈاکٹر محمد رفعت۔ ایک عزیز کی یاد، جو سب کا عزیز تھا	۲	۲۳۳_۲۴۲
	قرآن کی صداقت کے دلائل	۱	۵_۱۵
	موجودہ حالات میں دعوتِ دین کے تقاضے	۲	۱۳۳_۱۳۶
	مولانا محمد سالم قاسمی۔ اتحادِ امت کے داعی	۱	۱۰۹_۱۱۳
فلاحی، زریاب احمد	انگریزی ادب میں رسول ﷺ کی تصویر کشی	۲	۱۶۵_۱۹۶
	قدیم انگریزی ادب اور اسلام	۱	۳۵_۵۲
	قرونِ وسطیٰ کے انگریزی ادب میں اسلام اور مسلمان	۴	۴۵۳_۴۷۲
قاسمی، محمد کمال اختر	خاندان سے متعلق مغربی تصورات اور اسلام	۴	۴۷۳_۴۹۶
قاسمی، ولی اللہ	مالی تعزیر (جرمانہ) کا شرعی حکم	۱	۳_۹۱
قدوائی، عبدالرحیم	جدید مستشرقین کے مطالعاتِ تفسیر	۲	۱۳۷_۱۵۲
کریمی، محمد جرجیس	اشاریہ ششماہی علوم القرآن (تبصرہ)	۳	۳۷۳_۳۷۴
	رجوع بفہم اور تدبر قرآن۔ چند معروضات (تبصرہ)	۳	۳۷۱_۳۷۳
	قرآن مجید کا تصورِ امن	۳	۳۳۵_۳۴۹
محمد اسامہ	علوم اسلامی میں مغرب کا سرقہ	۲	۱۵۳_۱۶۴
مشعل، نعمت اللہ	قرآن مجید میں غیر عربی زبانوں کے الفاظ	۴	۴۱۹_۴۳۰
مدنی، محمد انس فلاحی	بچوں کی تربیت کے رہ نما اصول (تبصرہ)	۱	۱۱۵_۱۱۶
	علوم القرآن۔ ایک جائزہ (تبصرہ)	۳	۳۶۹_۳۷۱
ندوی، محمد رضی الاسلام	قرآن کی تدوین۔ غلط فہمیوں کا ازالہ (تبصرہ)	۴	۴۹۷_۴۹۸
	مستشرقین کا تیار کردہ اشاریۂ حدیث	۱	۵۳_۷۲
ندوی، محمد صادر	اہم عصری مسائل۔ تجزیہ اور حل (تبصرہ)	۱	۱۱۷_۱۱۸
وٹو، انعام اللہ	حافظ فرمان علی کے ترجمۂ قرآن کا تنقیدی جائزہ	۱	۱۷_۳۴

ISSN:2321-8339

Organ of Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami

Quarterly

TAHQEEQAT-E-ISLAMI
ALIGARH

Vol. 40 No.4

October - December 2021

Editor

Syed Jalaluddin Omari

Asstt. Editor

Muhammad Raziul Islam Nadvi

Nabi Nagar (Jamalpur), P.O. Box: 93
ALIGARH - 202 002 (INDIA)
www.tahqeeqat.net Email: tahqeeqat@gmail.com

CONTENTS

1. **Islam's syestem of Consultation** 5

Syed Jalaluddin Omari

2. **Words of Non-Arabic Languages in the Holy Quran** 35

mr.. Nematullah Mashal

3. **Besiegement in She'eb Abi Talib(2)** 47

Dr. Mufti Mohammad Mushtak Tejarwi

4. **Islam and Muslims in the English Literature of the Middle Ages** 69

mr. Zaryab Ahmad Falahi

5. **Western Concepts Related to Family and Islam** 89

Maulana Muhammad Kamal Akhtar Qasmi

6. **Book Review** 113

Activities of Idara-e- Tahqee-o-Tasneef-e-Islami 115

Abstract of the Articles

Islam's System of Consultation

Maulana Syed Jalaluddin Omari

President Idara -e-Tahqeeq-o- Tasneef-e- Islami Aligarh

To understand Islam's system of consultation, it is necessary to keep in consideration certain factors. Islam is a universal Deen. It says that Allah the Exalted is the Real Ruler, and the believers are one Ummah. They have been enjoined to implement in all spheres of life the Deen that they have accepted as the constitution of life. Though the Messenger of Allah (pbuh) was to be followed mandatorily and he was not in need of seeking advice from anyone, Allah the Exalted commanded him to consult his companions.

In the history of Arab, the Quraish enjoyed the position of religious oligarchy. They continued to enjoy this position even after the Messenger (pbuh) was blessed with Prophethood. On the other hand, owing to the exemplary sacrifices of the Ansars, they also were given important positions in the Islamic State. The Messenger of Allah (pbuh)

loved to keep both of them close to him. In the Islamic State, Madinah enjoyed the paramount position. The believers have been enjoined to obey the *Ulul-Amr* (those in authority) besides obeying Allah and His Messenger. The *Ulul-Amr* mean those who can reach the depth of affairs with their wisdom and prudence.

The article dwells upon these points.

Words of Non-Arabic Languages in the Holy Quran

Mr. Nematullah Mashal
Government Khateeb Mufti Mahmood Memorial Hospital
Kuchlak, Balochistan (Pakistan)
nematmashal@gmail.com

The holy Qur'an is the foundation of Islam. Therefore, in every age, researches have been conducted on different aspects of the Qur'an. The exegesists of the Qur'an as well as jurisprudents have worked on the problems and points from the holy Qur'an as also on its style, diction and other aspects. The debates on the language of the Qur'an includes whether or not words of other languages have been used in the Divine Book.

This article attempts to do an investigative analysis of this debate.

Besiegement in She'eb Abi Talib(2)

Dr. Mufti Mohammad Mushtak Tejarwi

Assistant Professor, Department of Islamic Studies

Jamia Millia Islamia, New Delhi

muftimushtak@gmail.com

Besiegement in *She'eb Abi Talib* (The Valley of Abu Talib) is an important incident of the Makkan period in the Prophet's Seerah. While under besiegement in She'eb Abi Talib, the Muslims protected Allah's Messenger (pbuh) for about three years and underwent extreme difficulties and severities. This article presents its details.

In the first part published in the last issue (July-September 2021), the history of *She'eb Abi Talib*, where it is situated, beginning of besiegement, its causes, the method of protecting the Messenger (pbuh), those who wrote down the document of the besiegement, the copies of the document, where the document was kept, those held under besiegement, and the period of besiegement in *She'eb Abi Talib* were discussed. This second and last part presents information on the situation during the besiegement, those who extended succour to the besieged, dawah activities during the besiegement, and the end of the besiegement.

In this article, all information on this important incident in the Prophet's Seerah has been presented in a researched manner.

Islam and Muslims in the English Literature of the Middle Ages

Mr. Zaryab Ahmad Falahi
Nathupatti, Chandpatti, Azamgarh
Zaryabahmad_teacher@gmail.com

The formidable shadows of the dark period in the history of Europe were hovering over the Middle Ages. Illiteracy, lawlessness, and deceleration was ruling the roost. Oppression and subjugation was common. On the other hand, Qartaba under the Muslim rule was holding lit the lamp of knowledge, learning and arts. In that age, the Christians waged a war against the Muslims. It left an abiding influence on the literati of the time. In their books they used very hateful and disparaging language against Islam and the Muslims and made tireless efforts to demean and defame them.

This article mentions famous men of literature of that time like Geoffrey Chaucer, John Gower, John Lydgate, William Dunbar and Ranulf Higden and presents how demeaning their presentations of Islam and Muslims had been.

Western Concepts Related to Family and Islam

Maulana Muhammad Kamal Akhtar Qasmi
Member Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef Islami Aligarh
kamalakhtarq@gmail.com

The social life in the west underwent a drastic change as a result of the French Revolution. Women started participating actively in social activities. Crores of men were done to death and rendered injured in the World War I and II, as a result of which women were compelled to make economic endeavours. On the other hand, there came the feminist movement which gave a slogan of equality between men and women at all stages. The feminist movement left a very deep, negative influence on family. Resultantly, the family system in the west got broken rather badly. Homosexuality got a boost, the trend of Nikah solemnisation suffered a setback while live-in relationship was promoted. Incidents of divorce started occurring in quick succession. A section of single parents came into being. Thus, the new generation having been devoid of *tarbiyah* (moral training) got involved in indecency, immorality, and waywardness. The westerners also started feeling family breakages. Hence the demand of ghar wapsi home coming gained ground over there.

In comparison to that, Islam stands for family formation. To it, family is the strongest institution that provides people with peace of mind and heart as well as

economic protection. It describes the rights of people living in a family and also reminds them of their responsibilities. As a result of acting upon its teachings, a strong, robust and prosperous family comes into being.

This article throws light on the western concepts of family and highlights the fundamental teachings of Islam related to family.

BOOK REVIEW

☆ *Quran ki Tadwin: Ghalat Fahmiyon Ka Izala* (The Compilation of the Quran: Remedy for Misconceptions), Maulana Muhammad Inayatullah Subhani, Hidayat Publisher and Distributer, New Delhi, 2020, Pages:261, Price:200/-

Reviewed by Dr. *Muhammad Raziul Islam Nadvi*

مذاہب ونظریات پر اہم کتابیں

عیسائیت (انجیل اور قرآن کی روشنی میں)	عبدالوحید خان	230.00
ہندو دھرم کی کچھ قدیم شخصیتیں	محمد فاروق خاں	16.00
ہندو مسلم تعلقات کی خوش گوار یادیں	ڈاکٹر محمد احمد فلاحی	60.00
ہندتوا ایک تحقیقی مطالعہ	مفتی محمد مشتاق تجاروی	36.00
مذاہب عالم اور اسلام	متین طارق باغپتی	45.00
مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ	ظفر آفاق انصاری	16.00
قادیانیت	مولانا ابوالحسن ندویؒ، مولانا مودودیؒ، خضر حسینؒ	42.00
قادیانی مسئلہ	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	72.00
رَدِّ قادیانیت کے سو دلائل	پی پی عبدالرحمٰن	100.00
یہودیت اور نصرانیت	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	400.00
یہودیوں کا منصوبہ	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	16.00
مذاہب عالم ایک تقابلی مطالعہ	مولانا انیس احمد فلاحی	225.00
یہودیوں کے جرائم (قرآن کی روشنی میں)	مولانا محمد سلیمان قاسمی	20.00
اہل مذاہب کو قرآن کی دعوت	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	45.00
آر ایس ایس - ایک مطالعہ	حارث بشیر	325.00
سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ	مولانا وحید الدین خان	10.00
ہندو مت تاریخ اور فرقے	حافظ محمد شارق	62.00
ہندو مت ایک تجزیاتی مطالعہ	حافظ محمد شارق	220.00
ہندو مت ایک تعارف	حافظ محمد شارق	28.00

آرڈر کے لیے رابطہ نمبر 7290092403 Mob: 7290092401, 7290092405

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز MMI PUBLISHERS

D-307, Dawat Nagar, Abul Fazl Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110025

Email: info@mmipublishers.net | mmipublishers@gmail.com | Web: www.mmipublishers.net

R.No. 38933/81
October-December 2021

Quarterly
Tahqeeqat-e-Islami
Aligarh

Mob. +91-9412671962
+91-9897746586

مولانا سید جلال الدین عمری کی تالیفات

شمار	نام کتاب	قیمت
۱	تجلیاتِ قرآن	۳۲۵/
۲	اسلام-انسانی حقوق کا پاسبان	۹۰/
۳	غیر اسلامی ریاست اور مسلمان	۲۵/
۴	کمزور اور مظلوم اسلام کے سایہ میں	۵۰/
۵	صحت ومرض اور اسلامی تعلیمات	۲۵۰/
۶	خدا اور رسول کا تصور-اسلامی تعلیمات میں	۱۴۰/
۷	معروف ومنکر	۱۸۵/
۸	اسلام کی دعوت	۲۲۵/
۹	غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق	۱۸۵/
۱۰	تحقیقات اسلامی کے فقہی مباحث	۱۰۰/
۱۱	تہذیب وسیاست کی اسلامی قدریں	۶۵/
۱۲	عورت-اسلامی معاشرے میں	۲۶۰/
۱۳	مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ (مجلد)	۱۳۰/
۱۴	عورت اور اسلام • مجلد /۱۱۰ • عام /۶۰	
۱۵	اسلام کا عائلی نظام	۱۰۵/
۱۶	مسلمان خواتین کی ذمہ داریاں	۴۲/
۱۷	قرآن کا نظام خاندان	۲۴/
۱۸	اسلام-ایک دین دعوت	۲۵/
۱۹	دعوت وتربیت-اسلام کا نقطۂ نظر	۵۵/
۲۰	راہیں کھلتی ہیں • مجلد /۱۴۰ • عام /۹۵	
۲۱	سبیل رب۔دعوت الی اللہ کا راستہ	۴۵/

شمار	نام کتاب	قیمت
۲۲	اوراقِ سیرت	۲۵۰/
۲۳	خطبات پاکستان	۱۰۰/
۲۴	عصر حاضر میں اسلام کے علمی تقاضے	۵۲/
۲۵	انسان اور اس کے مسائل	۴۰/
۲۶	اسلام اور مشکلات حیات	۴۵/
۲۷	خدا کی غلامی-انسان کی معراج	۱۴/
۲۸	اسلام اور وحدت بنی آدم	۱۶/
۲۹	اسلام میں خدمت خلق کا تصور	۱۱۰/
۳۰	انفاق فی سبیل اللہ	۴۵/
۳۱	دولت میں خدا اور بندوں کا حق	۱۶/
۳۲	انسانوں کی خدمت-اسلام کی نظر میں	۱۶/
۳۳	جماعت اسلامی ہند-پس منظر، خدمات اور طریقۂ کار	۴۳/
۳۴	ہم تحریک اسلامی کے کارکن کیسے بنیں؟	۱۸/
۳۵	ملک وملت کے نازک مسائل اور ہماری ذمہ داریاں	۳۲/
۳۶	یہ ملک کدھر جارہا ہے؟	۳۵/
۳۷	بچے اور اسلام	۱۴/
۳۸	خاندان کی اصلاح اور اولاد کی تربیت	۲۰/
۳۹	فقہی اختلافات کی حقیقت	۲۵/
۴۰	بعض اہم اسلامی اصطلاحات کی تشریح	۱۸/
۴۱	سوئے حرم چلا	۳۲/
۴۲	دینی علوم کی تدریس	۱۴/

ملنے کے پتے:

۱- ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، نبی نگر، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ۔ ۲

۲- مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، ڈی-۳۰۷، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔ ۲۵